

ابن سعود

# Ibn Saud



فيصل محمد

## فہرست مضمون

### عرض حال

|         |   |
|---------|---|
| ۶-۱     | پہلا باب - تہیید                                  |
| ۲۰-۲    | دوسرا باب - ابتدائی حالات                         |
| ۳۲-۲۱   | تیسرا باب - ریاض کی فتح                           |
| ۵۴-۳۳   | چوتھا باب - رشیدیوں کی شکست                       |
| ۶۶-۵۸   | پانچواں باب - رشید کا انعام                       |
| ۹۱-۷۹   | چھٹا باب - سودی فتوحات اور اخوان کی تشكیل         |
| ۱۰۰-۹۲  | ساقوال باب - نشیب و فراز                          |
| ۱۱۶-۱۰۹ | اٹھواں باب - انگریزوں سے دوستی اور سلطنت کی تنظیم |
| ۱۳۲-۱۲۴ | نواں باب - درمیانی زمانہ                          |
| ۱۳۳-۱۲۵ | دوواں باب - جیسین کی شکست                         |
| ۱۵۴-۱۴۲ | گیارہواں باب - حائل کی فتح اور سلطانِ نجد         |
| ۱۶۶-۱۵۳ | بارہواں باب - مک کی فتح                           |
| ۱۸۸-۱۶۸ | تیرہواں باب - حجاز کی فتح                         |
| ۱۹۶-۱۸۹ | چودہواں باب - اسلامی کالگری اور مصری محل          |
| ۲۱۴-۱۹۶ | پندرہواں باب - اصلاح ججاز                         |
| ۲۲۷-۲۰۶ | سولہواں باب - بغاوتیں                             |
| ۲۳۱-۲۲۵ | ستہواں باب - موجودہ طرز حکومت                     |
|         | اسفاریہ   |



ابن سعید



۱۴۲۰-۱۴۲۱  
۶۸۲۰

## لکھنؤ

عہد حاضر جس طرح سائنسی دور کملا یا جا سکتا ہے، اسی طرح اسے ہم دور قائدین بھی کہہ سکتے ہیں۔ دنیا کے کم و بیش ہر خطے میں قائدین کی نہاد محسوس ہو رہی ہے اور قائدین پیدا بھی ہو رہے ہیں۔ ترکی میں مصطفیٰ اکان ایران میں رضا شاہ، جرمنی میں میٹلر، اٹلی میں مولینی اور روس میں اشالن ہر قائد ایک مہم بالشان انسان دوستانہ مقصد لے کر پیدا ہوتا ہے اور اسے پائیں کیمیل کو ہینچا نا اس کی زندگی کا لذب العین ہوتا ہے۔ حالات ظاہر کرتے ہیں کہ عرب کی سر زمین کو بھی ایک مصطفیٰ اکمال یا ایک رضا شاہ کی ضرورت تھی اور اس نے ابن سعو و کو پیدا کر لیا۔ اس زمانہ میں بیرونی اثرات کے تحت عرب سے اسلامی رنگ اڑتا چاہا تھا اور اسلامی قوانین مغضّ کرتا بی اصول اکی صورت اختیار کر چکے تھے۔ لیکن بسلطان ابن سعو نے ایک رکشی گھر کی طرح بغاوتوں اور حنفیوں کے طوفان خیز سمندر میں کھڑے ہو کر عرب میں اسلامیت کے احیا کا بیڑہ اٹھایا، اور اپنے مقصد کی بنیادیں اس بسیدگی اور

---

---

فراست سے ڈالیں کہ کر ٹل لارنس جسی عظیم الشان شخصیت کی دوڑن  
نگاہ بھی ان کی حقیقی حنفیت کو پہچانتے میں دھوکہ گھاگھی ۔

— ۲ —

اس سال گرما کی جھیلوں میں میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ دنیا کے  
ان فائدین کے متعلق کچھ معلوم امت حاصل کروں اور اگر موقع ملے تو  
ان پر کچھ لکھوں ۔ اس دچھپ مشغله کی ابتداء میں نے مصطفیٰ اکمال اور  
ابن سعید کی سوانح عمریوں سے کی، اتفاق سے مجھے ان بآکمال اور  
لیگانہ روزگار مہتیوں پر بہت اچھا معاواد دستیاب ہو گیا جن میں ایجع  
سی۔ آرمیٹر انگ کی بلند پایہ تھانیت ”گرے ڈولف“ اور ”لارڈ“  
آف ارے بیا ” خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں کمل سوانح  
عمریاں ہیں اور بہت ہی تحقیق اور عرق ریزی سے لکھی گئی ہیں مصنف نے  
ان میں افانوی اسلوب بیان اختیار کر کے انہیں اور دچھپ بنادا  
ہے۔ مجھے بھی یہ اسلوب بہت پسند آیا اور میں نے اس تالیف کو  
اسی طرز پر ڈھلنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب جس وقت زیر تالیف تھی تو بعض احباب نے مجھ سے  
سوال کیا کہ ”ابن سعید میں ایسی کیا خصوصیت ہے جو آپ نے سب  
سے پہلے اس پر قلم اٹھایا ہے اس میں کیا خصوصیت ہے ہے؟“ اس کا جواب  
آپ کو ان چند صفات کے مطالعہ سے مل جائے گا۔ اس کے علاوہ  
ابن سعید پر ایک مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت میں نے اس نے بھی

محسوس کی کہ ایک تو یہ مسلمانوں کے ایک اولوالعزم بادشاہ ہیں اور اس مقدس سر زمین پر کمرال ہیں جس کے ساتھ دنیا کے تماں مسلمانوں کی حقیقی دلچسپی وابستہ ہے۔ نیز سلطان کے درختان کارنا مے— ان کی خدا پرستی، ان کا صبر و استقلال، ذاتی وجاہت اپنہاں کا راجلوص، بہادری اعلیٰ سیاست— شخصیت کے وہ گرال قدر اور انمول تھیں ہیں جن کی ستائش منوری ہے۔ ان سب سے زیادہ اس موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے جس چیز نے مجبور کیا وہ یہ ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں سلطان کے حالات متعلق قصہ کی صورت میں ملتے ہیں لیکن اردو زبان میں اس طرح کا کوئی مواد موجود نہیں۔

### — ۳ —

ابن سعید کے متعلق اکثر مسلمان مختلف خبریات رکھتے ہیں، اور کبھی میں بھی اسی طرح کے شبہات میں بتلا تھا۔ لیکن، جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق رہا ہے، ابن سعید کے متعلق یہ باعث کو وہ حدود مشرعی اور سختی کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کے پابند مسلمان ہیں کوئی بات ایسی نہ مل سکی جس سے ان کے حقیقی اسلام سے انحراف کا پتہ چل سکے۔ تاہم میں نے اکثر و بیشتر سمجھیدہ احباب (جن میں اکثر حامی ہیں)، اور سائنسوں عرب و ستوں سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور بھول نے بالاتفاق ان کے متعلق اچھے خیالات کا اٹھا رکیا اور یہ بتلا یا کہ سلطان ابن سعید

خالعت صرف وہی لوگ ہیں جو خود ان کی حقیقی عظمت، ان کی حقیقی زندگی اور ان کے جذبہ ایمان سے واقع نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کا بیان ہے جن کی حالت

چول نہ دیند حقیقت روا فاند زوند

کے مصدق ہے۔

میرے سامنے واقعی یہ بڑا مشکل مسئلہ تھا کہ سلطان ابن سعید کے متعلق رائے قائم کرنے کے لئے میں اور کیا طریقہ کار اختیار کر دیں۔ سو اے اس کے کو مستند سونا ختم ہوں، سمجھیدہ حجاج اور عرب کے صاحب الراہے باشندوں کے بیانات پر اعتبار کر دیں اور کوئی دوسری صورت ممکن نہ تھی۔ اور میں نے کیا بھی ہی۔

چاہئے کچھ کہیے، اتنا اصرور ہے کہ دن سعید کی زندگی، زندگی کے نشیب و فراز، بہادری کے کارناموں اور اسلامی انصاف اور عدل گستاخی کا ایک وکیل مرقع ہے۔ ایک شخص عرب کی سر زمین میں ایک ایسے گھر ان میں پیدا ہوتا ہے جس میں کبھی بادشاہست ہاتھ بامدھے کھڑا ہی اور جواب مرور زمانہ سے افلاس اور تنگی کا نونہ بن گیا تھا۔ نکھانے کو کھانا اور نہ رہنے کو مٹکانا۔ اس کی ابتدائی زندگی عرب کے ریگتاناویں میں وحشی بد ویوں کے ساتھ گذرتی ہے، اچندر وز کے لئے وہ ایک بند رگاہ پڑاتا ہے، وہاں اس کے خیالات پلٹا کھاتے ہیں کھوئی ہوئی سلطنت کو حاصل

کرنے اور عرب کو آزاد کرانے کا خیال اس کے دل میں موجود ہوتا ہے  
چند آدمیوں کے ساتھ وہ سجد کے دار المخلاف دیا پس پر قبضہ جانے کے لئے  
روانہ ہوتا ہے۔ لوگ اس پر ہنسنے اور اس کا مفہوم کہاڑا تھا ہیں لیکن  
وہ ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، افسوس کا نام لے کر اور اس پر کامل بھروسہ  
کر کے، حقیر ساز و سامان کے ساتھ، اپنے چند من چلنے ہم خیالوں کے  
ہمراہ ریاض پہنچتا اور صرف چھ آدمیوں سے اس بڑے شہر پر قبضہ کرتا  
ہے۔ اس کے بعد اس کے ہاتھوں اس کے خاندانی و شمن رشیدیوں  
کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چند سال کے اندر اندر وہ عرب کے وسطی  
حد عین سجد کا سلطان بن جاتا ہے، پھر اپنے ملک کو فیر ملکی جوئے  
سے آزاد کرتا ہے اور جہان کی طرف بڑھ کر، حسین جیسے بااثر شخص  
کو نکال باہر کر کے ارض مقدس سے بدعوائیوں اور دیا کاریوں کا  
استیصال کرتا ہے۔ جاہل و حشی بدویوں کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ  
انسان بناتا ہے، سارے ملک میں امن پیدا کرتا ہے، عوام  
سے قرآن و حدیث کی سختی سے پابندی کرتا ہے۔ فرض ایک  
ایسے ملک کو جو صدیوں سے گوشه گنانی میں خاموش پڑا سو رہا  
تھا، جگہا کر متعدد نہایات کی صفت میں لا کر کھڑا کرتا ہے۔

اگر حالات یہ ہیں تو کیا ایسے شخص کو بے دین، ایمان فروش  
اور نا اہل کہنا انصاف کا خون نہیں ہے؟  
آخر میں اتنا مزدور عرض کروں گا کہ ہر بڑے کام میں انسان ہے

نفر شین ہو جا یا کرتی ہیں۔ اگر آپ اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب کریں تو مدد درجہ انتظام و اہتمام کے باوجود پھر بھی بعض فروگذ اشیں ہو جائیں گے اس طرح اس عظیم الشان مہم میں، ممکن ہے کہ سلطان ابن سعود یا ان کے ساتھیوں سے کہیں کوئی نفر ش ہو گئی ہو تو کیا ان جن میاں پر خود مبنی تقدیر کر کے سارے کارناموں پر پانی پھر دینا فرین مصلحت کھلا جا سکتا ہے؟

— ۳ —

اس کتاب کی تایف میں مجھے اپنے دوست مولوی عمر یافی صاحب اور مصوری کے لئے مولوی عزیز الدین صاحب (عثمانیہ) کے کافی مدد ملی میں ہر دو اصحاب کا مشکور ہوں۔ آخر میں میں توقع کرتا ہوں کہ ناظرین اس کتاب کو غیر جانبدارانہ کو شیش تصور کر کے مطالعہ فرمائیں گے۔

فیض محمد

المرقم ۲۵ بر اسفند ار ۱۳۵۳  
م ۲۵ جنوری ۱۳۹۴

## پہلا باب

### تمہید

عرب ایک ریاستی ملک ہے۔ نہ وال کافی باش ہوتی ہے اور نہ دیا ہیں، نہ جنگل ہے نہ مغار۔ جب طرف نظر اٹھا تو سوائے ریاست اور ریتیلے ٹیکوں کے اور کچھ دھانی نہیں دیتا۔ ٹیکوں تک نہ کوئی فربے نظر آتا ہے اور نہ ہی پانی پینے کے لیے کوئی چشمہ ملتا ہے۔ کئی صدیوں تک عرب کے سرحدی ممالک تمدن کے معراج پر پہنچے اور پھر انہیں زوال ہوا۔ بنی شہار سلطنتیں بنیں اور گروہیں مشرق میں دجلہ اور فرات کے کناروں پر بابل اور غینو اکی شاندار حکومتیں، ایران کی ہتم باشان ترقی مغرب میں فرعون مصر کی عدیم المثال اور خدا یا رہ حکومت، ان کا جلال اور شان و شوکت شمال میں فونقیہ

اور مروجی سلطنت کا عروج اور پھر ان سب کا زوال ہمارے بیان کا ثبوت ہے۔ غرض عرب کے اطراف و اکناف میں تمدن نے سینکڑوں کروں میں لیکن خود عرب اس سے بھی متاثر ہوا اور وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ یعنی مالک کے لوگ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ البتہ تاجریوں کی زبانی عرب اور باخوص و سطع عرب کے کچھ کچھ حالات معلوم ہو جاتے تھے لیکن ان کے بیانات بھی دچکپ افساؤں سے کچھ کم نہ تھے۔ یوں تو تاجر کہا کرتے تھے کہ عرب میں بہت سی تمدن اقوام آباد ہیں، بٹے بڑے شہر ہیں اور بہت سی عجیب غریب چیزیں ہیں۔ لیکن ان کے بیان کی تصدیق کا کوئی وسیلہ نہ تھا البتہ حقیقت اس وقت آشکار ہوئی جب حضرت مسیح کی پیدائش سے قبل شاہ آگسٹس نے اپنے مصری گورنر کو سر زمین عز کی چیان ہیں کے لیے روانہ کیا۔ اس نے تحقیقات کے بعد بتلا یا کہ عرب ایک ریگستانی ملک ہے اور یہاں وحشی قبائل آباد ہیں نہ کھانے کو کھانا ہے اور نہ پینے کو پانی۔ چنانچہ مصری گورنر کے اکثر ساتھی بھیک پیاس کی تاب نلا کر راستہ ہی میں ختم ہو گئے۔

عرب میں سوائے بُجھات و مظالم کے اور کچھ نہ تھا، اس کے باشندے ایسے ہی وحشی تھے جیسی کہ یہ سر زمین افتابہ اور رنجیر ہے۔ چند چیزوں اور خلکتاں پر ان کی زندگی کا دار و مدار تھا اور اسی کے لیے وہ خون کی نمیاں بہاتے تھے۔ بت پرستی، افلاس، ریا کاری اور بد معاشری کا بازار گرم تھا، ہر قبیلہ اور ہر شخص آزادی کا طالب اور خود مختارانہ زندگی

بُسر کرنے کا دعویٰ دار تھا۔ ان منتشرا اور سرپرے قبائل کو رام کرنا آئے۔  
کو ایک ڈوری میں مسلک کر کے ان پر حکومت کرنی، ماحل کے محااظ  
کے کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اور اسی یہے صدیوں سے یہ آئی حالت  
میں علطاں و پیچاں رہے۔

ایسے خاک و قت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربانی مشعل مہما  
لے کر عرب کی سر زمین پر تشریف لائے۔ آپ نے چند سال کے اندر اندر  
عربوں کے منتشر قبائل میں اتحاد پیدا کیا، ان کو گناہوں سے روکا اور  
سب کو ایک کر دیا۔ دس سال کے اندر سارا ملک عرب آپ کے ساتھ  
ہو گیا۔ آپ کی تعلیمی تجلیات نے نہ صرف فلمت کر دے عرب کو بعقة نور  
بنایا بلکہ ان کی ضیا پاری کا اثر ساری دنیا پھیل گیا۔ آپ کے تابعین  
اور تبع تابعین دریائے فرات سے گزر کر ایران تک پہنچے اور بصرسے  
بھی آگے بڑھ گئے۔ شمال میں شام سے ہو کر ایشیائے کوچک تک  
جا پہنچے، مغرب میں افریقی ساحل سے ہوتے ہوئے بحیرہ اوقیانوس اور  
پھر اسپین، فرانس اور یورپ کے وسط میں پہنچ گئے۔ اور ایک سال  
کے اندر مسلمانوں کی حکومت آبناے جمل الطارق سے لے کر دریائے سندھ تک  
اور اورہ وسط افریقیہ سے لے کر ایران تک پھیل گئی۔

لیکن جیسی جیسی اسلامی حکومت ترقی کرتی گئی، عرب اس کا مرکز نہیں  
بلکہ یکے بعد ویکرے وشن، بندہ اور قاہرو اسلامی تدن کے گھوارے بنتے  
گئے۔ اگرچہ یہ چراغ عرب میں روشن ہوا اور اس نے سارے عالم میں جالا

پھیلادیا لیکن ایک صدی کے اندر ہی وہ خود پھر تاریکی میں آگی۔ اس کے بعد سے دنیا نے کئی پڑھنے کھائے لیکن عرب ان سب سے الگ تھا اور یہ تخلق رہا اور پھر سے ایک مرتبہ اس پر خلقت کا نشہ طاری ہو گیا۔ لیکن ہر سال تک اس کی یہی حالت رہی۔

لیکن اٹھا رہویں صدی میسیوی میں ایک شخص محمد بن عبد الوہاب پیدا ہوا اور پھر سے اس نے اسلام کے اس بھرے ہوئے شیزادہ کو ایک جنگ کرنے کی کوشش کی۔

ابن عبد الوہاب ایک سخت نمیںی جوش والا انسان تھا۔ اسلام میں اعتقادات و تکلفات کی جگزادگی ہو گئی تھی اسے دور کر کر کے ہے ہلکام کو اسی سادہ بیاس میں دنیا کے آگے پیش کرنا چاہتا تھا جس طرح سکرر دو ہلکام نے تعلیم فرمائی تھی۔ اہل عرب کو اس نے اس طرف متوجہ کیا۔ وہ اس پر بڑی طرح بگڑے اور اس کے سخت دشمن ہو گئے۔ ابن عبد الوہاب نے بھاگ کر دارالخلافہ نجد میں پناہ لی۔ یہاں محمد بن سعود کی حکومت تھی۔

نجد، عرب کا وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے باشندے بڑے محنتی اور جفا کش ہیں۔ اس کی تین طرف ریگستان ہے اور ایک طرف وادیاں یہ ایک سطح مرتفع پر واقع ہے۔ اس میں کئی گاؤں اور خلستان ہیں۔ ہر سطح مرتفع کے وسط میں ایک زرخیز وادی ہے۔ اس میں کافی پانی ہے اور کئی خلستان اور بڑے بڑے باغ ہیں۔ اس وادی میں شہر ”ریاض“ واقع ہے۔ ریاض نجد کا مرکز ہے اور نجد عرب کا

مرکز۔ اس طرح سے جس کی حکومت نجد پر ہوگی وہ عرب پاچی طرح حکمرانی کر سکتا ہے۔

سود، داریہ اور ریاض کا امیر تھا۔ یہ بڑا الائچی آدمی تھا، اس نے ابن عبد الہاب کی حقیقی قیمت کو تلاذلیا اور اس سے اس امر کا پیمان کیا کہ وہ اور یہ دونوں مل کر عرب کے باشندوں کو سچے اسلام کی تعلیم دیجئے۔ اہمیں کامیابی لیتھی تھی۔ سودو ایک بڑا اسپاہی اور تمثیل اور کادمنی تھا اور ابن عبد الہاب زبر و سوت حالم اور مبلغ۔ سودو لاتا اور بیتلیج کرتا عرب کے باشندوں پر اس کی تبلیغ کا گہرا اثر ہوا۔ روزہ اور نماز اور قرآن کریم کے دیگر احکامات کی سختی کے ساتھ پابندی کی جانے لگی۔ شر آؤ اور تمباکو کی سخت مانعت کر دی گئی۔ یکے بعد دیگرے قبائل نے اس کی حکومت تسلیم کی۔ ان کے شہنشوں نے اہمیں وہابی کہکشان پکارنا شروع کیا۔ لیکن ان کی کچھ بیٹھ نہ گئی اور سامنہ سال کے اندر تمام عرب پر یعنی خلیج فارس سے ییکر کہہ اور مدینہ تک اور پھر بھر ہندے سے نیکر شامم کے کوہ نبیت ان تک ان کی حکومت کا جھنڈا ہپڑنے لگا۔ اب وہ ریگستان کے بادشاہ تھے۔ غلیظہ اور ترکوں کو مانتے نہ تھے۔ اہمیں کسی کی پرواہ نہ تھی، وہ بلا خوف و خطر چوڑت چھاپے مار رہے تھے۔ میسونو ٹومیا پر حملہ کر کے انہوں نے کرملائے محلی کو سمار کر دیا علی پو پر حملہ کر کے اسے با جگہ ار بنا لیا اور مشق کی سرحد پر اور بصرہ میں بھی ایک ہنگامہ مجاو دیا۔ ترکوں نے خطرہ کو پہچان کر اپنے مصروفی گورنر

محمد علی کو دہبیوں کی تنبیہ کے لیے روانہ کیا۔ اس نے انہیں شکست دی اور دہبی سردار کو پاپ زنجیر کے قطنطینی روانہ کر دیا جیاں ابا صوفیہ کی مسجد کے آگے ایک عظیم الشان مسجد کے سامنے اس کی گردن آزادی لکھی۔ دہبیوں کی حکومت گویا ہوا کا ایک جنونکا تھی، جو آن واحدیں آیا اور چل دیا۔ اب تجہی پر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ کوئی حوصلہ مندا ایسا نہ تھا جو اسے محدود رکھتا، قبائل میں پھر سے انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ لوگ انفرادی آزادی اور خود مختاری کے طالب ہو گئے، یا ہمی نزاعات برپا ہوئیں، لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا، عرب گویا قتل و خون اور فساد کا مرکز بن گیا۔ کسی کی جان اس میں نہ تھی۔ ہر شخص غیر مطہر اور اپنے حریث کی جان لینے کے لیے تیار تھا۔

نوبیزندہ اہم کے اسی پر آشوب اور ناگفتہ ہے زمانہ میں سعودی عربان کے ایک رکن عبدالعزیز کی بیوی سارا کے بطن سے ریاض کے محل میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا جو بعد میں چل کر اپنے اجداد کے نام سے

## ابن سعود

مشہور ہو گیا۔

# دُوسرے باب

## ابتدائی حالات

۱

وہ بچے خوش قسمت ہیں جن کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں سمجھدے ماں باپ نے حصہ لیا ہو، کیونکہ جس تن دہی اور خلوص کے ساتھ ماں باپ توجہ دے سکتے ہیں کوئی دُوسرایہ کام اس خوبی سے نہیں کر سکتا۔ ایسے بچے آگے چلکر اپنے ماں باپ کا نونہ بنتے ہیں۔

ابن سعید کی پرورش بھی محل کے اندر مان کی گود میں اور مان کے دودھ پر ہوئی۔ اس کی ماں سارا، قبیلہ "دواسر" کے سردار احمد سعیدی کی لڑکی تھی، یہ بڑی تنومند اور مضبوط عورت تھی۔ تمام عرب عورتوں کی طرح سات سال کی عمر سے پرورہ کرتی اور محل کے اندر ہی رہا کرتی تھی اور جب کبھی باہر نکلتی تو کوئی جبشی غلام اس کے ہمراہ ہوتا۔

اور عرب عورتوں کی طرح وہ بھی پڑھنے لکھنے سے بالکل بے بہرہ تھی۔ البتہ  
قدرت نے اس میں قوتِ فیصلہ اور عقلِ سلیم کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ لگھر کا  
کام کاچ اسی کے مشوروں پر چلتا تھا، خامدان کے افراد پر اس کا بہت  
اچھا اثر تھا اور سب اسے صائب رائے مانتے تھے۔

دُودھ چھڑائی تک ابن سعوو کی پروردش پاکلیلیہ ماں کی گوو میں  
ہوئی۔ اس کے بعد اسے ایک صبی خلام کی نگرانی میں دیدیا گیا۔ وہ بہیش  
اس کے ساتھ رہتا اور اس کی خانگت کیا کرتا تھا۔ ابن سعوو لکھر محل  
کے اندر اپنی ماں اور بین سے ملنے جایا کرتا تھا۔ ماں اسے بہت پیار  
کرتی تھی اور اس کی بڑی بہن نوری اسے بہت عزیز رکھتی تھی۔ وہ  
گھنٹیل اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا گیا  
زیادہ تر موانے ہی میں رہنے لگا اور عورتوں سے ملا جلا نسبتاً کم کر دیا  
ابن سعوو کے ساتھ اکثر اس کے ہم عمر صبی خلام رہا کرتے تھے اور اس کی  
طفیلی میں ان کی بھی پروردش ہو جایا کرتی تھی۔ پھر ان کے یہی ساتھی آگے چلکر  
اس کے محافظہ دستہ کے قابو اعتماد اور جان شارہ پاہی بن گئے۔

جب ابن سعوو چلنے لگا تو اس کے والد عبد الرحمن نے اس کی تربیت  
اپنے خذہ کر لی۔ عبد الرحمن وابیوں کا امام اور سخت فرمی آدمی تھا۔  
وہ اپنی خود بڑی سختِ بیعت کے دلگ تھے، عیش و آرام سے کنارہ کش تھے،  
آدائش اور زیبائش سے سخت تصرف تھا، ان کی مساجد، مینار، قبیوں اور  
نقش و نگار سے مزدھن نہیں ہوتی تھیں، تیمیشات مثلاً شراب، مکلف غذا

تمبا کو رسمی کپڑوں وغیرہ سے اجتناب کرتے اور گانے بجائے اور سر قسم کی موسیقی کے وہ سخت مخالف تھے جنہی کہ سنسی پر بھی وہ غصہ بنیا ہو جاتے تھے۔ ان کا مسلک دنیوی عیش و نشاط سے دور رہ گر دھدہ لاشرک لے پر اپنی توجہ مرکوز کرنا اور قرآن اور حدیث پر ختنی کے ساتھ عمل کرتا تھا۔ اگر ان کی ختنی دچپی اور دبستکی کا کوئی سامان تھا تو وہ صرف ان کے بال پچھے تھے۔ اس کے ملاوہ دنیوی آرام و آسائش کو انہوں نے بڑی حد تک اپنے پر حرام کر لیا تھا۔ عبد الرحمن نے صرف ان میں سے ایک تھا ملکہ ان کا امام اور وہابی نقطہ نظر کی شدّت کے ساتھ پابندی کرتا تھا۔ اپنی اولاد کو اس نے وہابیت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ ابتداء میں ابن سعید کو رہیں کے درس میں تعلیم کی غرض سے روانہ کیا گیا۔ پہلے تو وہ بہت ہی لاپروا اور کھلندہ رانابت ہوا میکن باپ کی تربیت اور نگرانی نے اس کے میلان بیچ کو بدل دیا چنانچہ سات سال کی عمر میں وہ پابندی سے پانچ وقت کی نماز جامع مسجد میں او اکرتا اور روزہ رکھتا اور اس کم عمر میں وہ قرآن مجید کی اکثر آیتیں ہمایت صحت کے ساتھ زبانی تلاوت کیا کرتا تھا۔

عبد الرحمن حد درجہ میں کا پکا اور مستقل فرماج انسان تھا۔ اس کا نصب العین اپنے چد۔ سعید اعظم کی ہوئی ہوئی سلطنت کو پھر سے حاصل کرنا تھا، اس لی بڑی خواہش یہ تھی کہ اور ایک مرتبہ تمام عرب قبائل کو ایک ہی زنجیر میں مسلک کر کے اتحاد اور رواداری پیدا

کرے اور ان سب کو وہابی بنائے۔ اسی طبع نظر کے ساتھ وہ اپنے مقصد کے پیچے لگا ہوا تھا۔ اور اس کی ولی تمنا یہ تھی کہ اگر وہ خود اس کام کو پایاں تک پہنچا سکے تو کم از کم اس کی ادلا و اس کو ضرور پورا کرے۔ چنانچہ اپنی اولاد کی تعلیم میں اس نے ہمیشہ اسی چیز کو پیش نظر رکھا۔ یہ کام بڑا اوق تھا۔ اس کیلئے جنگ دجل کی تکالیف و مصائب برداشت کرنے کی ضرورت تھی۔ اسی مقصد کے لیے ابن سعود کو اس نے تیار کیا۔ تلوار کافن بتایا، گولی چلانی اور گھوڑے کی شنگی پیچے پر سواری کرنی سکھائی اور اُسے دشوار گزار راستوں پر طویل سفروں پر روانہ کیا کہ وہ تکالیف کو برداشت کرنے کا عادی ہو جائے۔ ہر سو کم میں اسے آفتاب طلوع ہونے سے دو گھنٹے قبل جگاؤ یا جاتا تھا کہ اس میں ستی اور کاہلی نہ پیدا ہونے پائے۔ گرما کے موسم میں دو پھر کے وقت ریتیلے میدانوں میں برہنہ پیر دوڑایا جاتا تھا کہ وہ سختی کا خونگر بن جائے۔ اس تربیت و تکمیل کی وجہ سے اسے باپ سے بھی دیا وہ تو انہا اور صنبوط بنادیا۔

اس طبع ابن سعود کو فن سپاہ گری سے خاص لگاؤ پیدا ہو گیا۔ ہونہار بردا کے چکنے چکنے پات" اس نے ابتداء ہی سے وہ جو ہر کھلاڑی کو دیکھنے والوں نے تاڑا لیا کہ یہ آگے گیل کر کچھ ہو رہا گا۔

لیکن ابن سعود ریاض کی محدود زمینگی کے علاوہ پیر دنی و دنیا سے بہت کم واقع تھا۔ اہل ریاض بڑے غیور اور شرمی تھے۔ غیر ملک کے باشندوں سے خود ملتے اور نہیں اپنے پاس چکنے دیتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی تاجر

اپنا مال و اساباب اور غلام لے کر فر دخت کی خاطر ریاض آتے تو بیرونی مالک  
کے رہنے والوں کی صورت نظر آ جاتی تھی ۔

( ۲ )

ابن سعید کے لکھن کا زمانہ بہت ہی خطرہ اور ہر بُونگ کا زمانہ تھا۔  
ریاض کی اطراف بدھی (وحشی) آباد تھے۔ شمال میں آل شامر محدثین رشید  
کے ساتھ متعدد ہو گئے تھے۔ محمد رشید ایک ایں گر لائی ہکم ایں تھا۔ اس نے  
حائل کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور ریاض اور سنجد کے دیگر خوش حال علاقوں  
کو وہ اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش میں تھا۔ ایسی حالت میں ایں ریاض  
کس طرح چین سے بیٹھ سکتے تھے؟ انہیں ہمیشہ بیرونی حلولوں کا خطرہ  
لگا ہوا تھا، چنانچہ ریاض کے دروازہ پر ہر وقت سپاہی پڑھ دیتے رہتے  
اندھیر جھر تی اور سخت پوچھ گئے کسی کو اندر داخلہ کی اجازت یعنی روزانہ  
صحی اور دن میں تین مرتبہ جب لوگ نماز کے لیے مسجد جاتے تو شہر کے  
تمام دروازے بند کر دئے جاتے کہ اس اشناز میں دشمن اندر داخل  
نہ ہو سکیں۔

اس کے علاوہ محل کی حالت بھی قلعہ کی سی تھی کیونکہ بیرونی حلولوں  
کے قلعے نظر ریاض خانہ جگلیوں کا مرکز بنایا ہوا تھا۔ عبدالرحمن کے  
تین بھائی تھے۔ عبدالشہد سعید اور محمد۔ یہ سب اقتدار کے لیے  
آپس میں ایک دوسرے سے برس پیکار تھے۔ دس سال تک  
عبدالرحمن کے بڑے بھائی عبدالشہد اور سعید جگڑا ہوتا رہا۔ بالآخر

عبداللہ نے سعود کو نکال باہر کر دیا۔ سعود مشرقی صوبہ احمداء میں پناہ گزیں ہو کر عجمانیوں سے مل گیا اور انہیں ساتھ لے کر ریاض پر دھاوا بولا اور عبد اللہ کو وہاں سے بے وغل کر دیا۔ لیکن اتفاق سے وہ اس دنیا سے بہت جلد کوچ ر گیا۔ اور پھر سے عبد اللہ و اپس آگیا۔ لیکن ابھی باہمی مخالفتوں کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ سعود کے لڑکے اب بھی اپنے حقوق کے لیے لڑ رہے تھے۔ اس طرح سے ریاض میں اب دو بڑے گروہ بن گئے ایک تو سعود کے لڑکے اور ان کے ساتھی دوسرے عبد اللہ اور ان کے شرکیں۔ یہ علانیہ بازا روں میں رہتے اور قتل و خون کیا کرتے تھے۔ عبد الرحمن نے اپنے چوتھے بھائی محمد سے مل کر صلح کرنی چاہی مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا بلکہ اسی پر ٹوٹ پڑا اور خود عبد الرحمن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس اثناء میں سعود کے لڑکوں نے عجمانیوں کی حمایت سے حملہ کیا اور عبد اللہ کو قید کر کے ریاض پر قبضہ کر لیا۔ ابھی سعود کے لڑکوں کے قدم جھنے نہ پائے تھے کہ اس گڑبڑیں رشید نے ریاض پر حملہ کیا، انہیں پسا کر کے ریاض پر قبضہ کر لیا اور عبد اللہ کو اپنے ساتھ لے جا کر حائل میں آل شامر کے شیخ سلیم کے پاس نظر بند کر دیا۔ اس رہائی میں رشید کے ایک بھائی عبید نے محمد کو قتل کر دیا اس اثناء میں عبد اللہ بیمار ہو گیا، رشید نے ایک ایرانی ڈاکٹر سے اس کا علاج کر دیا۔ ڈاکٹر نے اس کی حالت کو خطرناک بتایا۔ رشید نہیں چاہتا تھا کہ عبد اللہ کے قاتل کی حیثیت سے اپنے داں:

وہ صفت بھاگئے۔ اس لیے اس نے ایک چال چلی، عبدالرحمٰن کو مائل بلوایا اور کہا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ریاض لے جائے لیکن ابھی وہ ریاض پہنچا بھی نہ تھا کہ عبداللہ کا استقالہ ہو گیا۔

(۳)

عبدالرحمٰن کے قیوں بھائیوں کا استقالہ ہو چکا، وہ اب بالکل تھہا تھا۔ ابتداء ہی سے وہ غیروں کا مخالف اور اپنے اجداد کی کھوئی سلطنت کو واپس لینے کا دعویٰ کرتا تھا۔ آل رشید کی مداخلت اور حکومت اس پر بہت شاق گزر رہی تھی، اس نے انہیں بے دخل نیکا مقصوم ارادہ کر لیا۔ اس معاملہ میں پہلے اس نے اپنے بھتیجوں سے مل کر کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن ان لوگوں نے اسے غدار کہا کہ موافقت سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ نجد کے ممتاز اور سربرا آور وہ لوگوں سے ملا، ان کے ذریعہ اہل ریاض کو اکسانے کی کوشش کی، قبائل کے نام پروانے بھیجے لیکن سب بے سود، بھتیجوں نے نفی میں جواب دیا۔ ان پر رشید اور شیخ سلیم کی دعا بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ اس سے پہلے بھی انہوں نے سر اٹھایا تھا کہ آل رشید نے انہیں نیچا دکھایا۔ ان کا پلہ بھاری تھا۔

عبدالرحمٰن کو ناکافی پر ناکافی ہوتی گئی، اگر دوسرا کوئی اور ہوتا تو اپنے ان ارادوں سے باز آتا مگر عبدالرحمٰن کمزوروں کا انسان نہ تھا، وہ خطرہ کے مٹنے میں باغیوں اور جاسوسوں کے نرغہ میں استقلال اور

جو اندری سے کام کرتا اور ہر خط اپنی کامیابی کے لیے نئے نئے منصوبے گھٹرنا تھا۔ رشید کو اس کی اطلاع ہو گئی، اس نے سلیم سے کہا کہ وہ عبد الرحمن کو دیکھ لے تاکہ پھر بھی وہ سرہ اٹھا سکے۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ سعودی خاندان کو دفعتہ نیست و نا بود کر دینا چاہتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ”افغانی را کشتن و بچہ اش را نگہد اشتن کا رخ و مندا نیست۔“ اس لیے اس نے تجویز نکالی کہ عبد الرحمن سے ملاقات کا ایک وقت مقرر کر کے خاندان کے تمام اراکین کو ملاقات کے بھائے اسی مقام پر بلا کر سب پر ایک ساتھ جملہ کر دیا جائے۔ ملاقات کا وقت مقرر ہو گیا اور ساتھ ہی اس منصوبے کی اطلاع بھی عبد الرحمن کو ہو گئی، یہ بھی حملہ کی مدافعت کے لیے خنیہ طور پر تیار ہو گیا۔

سلیم مقررہ وقت پر پہنچا۔ عبد الرحمن نے محل کے درباری ایوان میں اس کا استقبال کیا۔ دونوں بڑے تپاک سے ملے۔ چارپی، اور اوہر اور حرکی باتیں کرنے لگے۔ عبد الرحمن کی سیدھی جانب خاندان کے چند اراکین تھے، ان میں عبد الرحمن کا بچہ سعودی اپنے حصی غلام کے ساتھ موجود تھا۔ سلیم نے خواہش کی کہ خاندان کے اور اراکین بھی ملاقات کے لیے بلوائے جائیں۔ اس پر عبد الرحمن نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ برہنہ تلواریں لیے بھلی کی طرح اندر ٹوٹ پڑے، لڑائی شروع ہو گئی۔ عبد الرحمن کے لوگوں نے سلیم کے ساتھیوں کی خوب خبری اور سلیم گرفتار کر لیا گیا۔

ابن سود نے یہ اپنی عمر میں پہلی دفعہ قتل و خون کا لفڑا رہ کیا ।  
 یہ خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی ۔ دیہاتی اور ہر سایہ قبائل  
 رشید کے مظاہم سے تنگ آچکے تھے، انہوں نے عبد الرحمن کا ساتھ دیا۔  
 اور ہر رشید نے بھی ٹازہ زور مارا اور ہر دفعہ عبد الرحمن کو شکست دی۔ تمام  
 ملک میں پرانی پھیل گئی، جنگ و جدل کا یا زار گرم بوجیا اور لوگ  
 فاتح کرنے لگے۔ سُبھوں نے عبد الرحمن کو صلح کے لیے مجبور کیا، اس نے  
 پہلے انکار کیا لیکن بعد کو مانتے ہی بُنی۔ مجبور ہو کر اس نے صلح کے لیے  
 آدمی بھیجے اور ضمانت میں اپنے لڑکے عبد العزیز کو روادہ کیا اور سلیم کو  
 چھوڑ دیا۔ اب تمام ملک پر آل رشید فاصل پڑھے۔ صلح کے بعد رشید  
 عبد الرحمن کو ریاض کا حامل بنانے کا حائل چلا گیا۔ رشید کی واپسی کے  
 بعد قبائل پھر اس کے خلاف ہو کر عبد الرحمن سے مل گئے۔ عبد الرحمن  
 ان کو ساتھ لیکر رشید پر حملہ کرنے کے لیے حائل کی طرف روادہ ہوا۔  
 اس دفعہ عبد الرحمن کا وس سالہ لڑکا ابن سود بھی، اپنے جوشی خلام  
 کے ساتھ اپ کے ہمراہ لڑائی کے لیے روادہ ہوا۔

(۳۱)

عبد الرحمن کی یہ گوشش محض ایک ولود تھا، اس میں آئی سکت  
 کہاں تھی جو رشید کا مقابلہ کر سکتا، شہر والے گذشتہ محاصرہ سے  
 تنگ آکر صلح کے لیے مصروف تھے اور اکثر قبائل گورشید کے مخالف تھے  
 تاہم ان کے دل میں رشید کا اس قدر ڈر بیٹھا ہوا تھا کہ اس سے

مذبحیر کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی ان حالات کے تحت عبدالرحمن پسپانہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ رشید نے عبدالرحمن کا بُری طرح پچھا کیا اور قسم کھالی کہ اب کی دفعہ وہ ان زہریے سانپوں کا فعلہ قلع کر کے رہیگا۔

اب عبدالرحمن کے لیے بڑا ناٹک وقت آگیا۔ اس نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی اور ایک رات اپنے خاندان کو لے گر صحیح ہونی یہ پیشتر اوتھوں پر سوار ہو شہر کے مشرقی پھاٹک سے پپ چاپ روائے ہو گیا اور اس، پہنچ کر آل عجمان کے شیخ کے پاس پناہ لی۔ آل عجمان نے ریگستانی قانون کے مطابق اسے پناہ دی مگر عبدالرحمن آل عجمان کی غیر مستقل مراجی اور ان کے خلون طبائع سے خوف و افتخار وہ جانتا تھا کہ اگر آج نہیں توکل یہ ضرور ایک دم مخالف ہو جائیں گے۔ ان دنوں ابن سعود "گھٹیانی بنخار" میں بنتلا تھا، عبدالرحمن نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا اور خاندان کے دوسرے افسراوں کو "جزیرہ بحرین" روانہ کر دیا۔ اس طرح خاندان کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے اطراف کے قبائل سے گفت و شنید شروع کی لیں کن بھوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے چند بدویوں کو اجھار کر ریاض پر جلوہ کیا لیکن نجدیوں کی امداد نہ دینے کی وجہ سے اسے بُری طرح پسپا ہونا پڑا۔

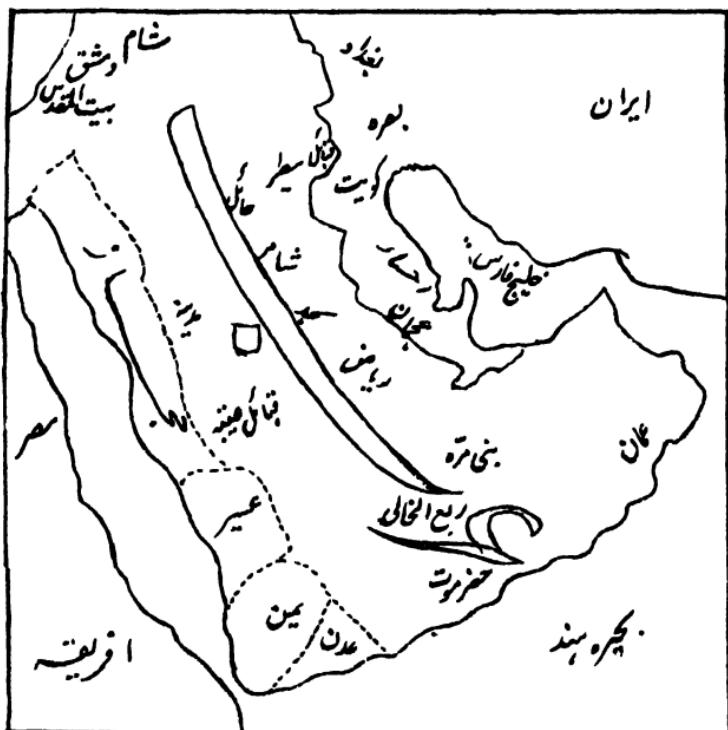
جب وہ واپس لوٹا تو احساء کے ترکی عامل نے اسے یاد کیا۔

عرب میں ترکوں کی حکومت برائے نام تھی۔ انہیں صرف چند خوش حال مقبوضہ مثلاً میں، عسیر، حجاز وغیرہ پر تسلط حاصل تھا۔ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے ترکوں نے ایک مخصوص پالیسی اختیار کر رکھی تھی وہ یہ کہ مختلف قبائل کو آپس میں لڑا دینا اور کسی قبیلہ یا اس کے سردار کو ابھرنے نہ دینا۔ اس طرح انہوں نے عرب کی مشترکہ قوتوں میں ایک طرح کا توازن قائم کر رکھا تھا۔ لیکن اب چونکہ سعو دیوں کو کافی شکست ہو چکی تھی اور آل رشید زور پر ڈر رہے تھے اس لیے انہوں نے سعو دیوں کی طرف داری شروع کی اور عبد الرحمن کو امداد دینے کا وعدہ کیا لیکن عبد الرحمن نے صاف طور پر ان کی امداد کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ ایک سچا عرب تھا، ترکوں کی امداد قبول کرنا اس کی شان اور فطری خیرت کے خلاف تھا۔ اس کے علاوہ وہ عرب تھیں ترکوں کے بیجا دخل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ اس طرح عبد الرحمن کے کمی دشمن ہو گئے۔ آل رشید، آل عجمان، سعو د کے لٹکے اور ترک، احسار میں اس کی خیر نہ تھی اس نے اب سعو د کو ساتھ لے کر اس نے "تبغ المخالی" کا رُخ کیا۔ یہ ایک وسیع ریگستان اور بہر علاقہ ہے، یہاں بنی مرہ آباد تھے وہ ان کی پناہ میں آگیا۔

( ۵ )

مرہ قبائل بڑے وحشی تھے، یہ جانوروں کی طرح زندگی بسرا کرتے تھے، کھجور اور اونٹوں کا دودھ ان کی غذا تھی۔ کبھی کبھی گوشہ بھی کھالیا کرتے تھے۔ ان کے کوئی گاؤں نہ تھے۔ فدا کی تلاش میں

وہ ہمیشہ خانہ بدوش رہتے تھے۔ بوٹاران کا خاص بخش تھا۔ ان کی بوٹار کا دارہ حضرموت اور حان تک پھیلا ہوا تھا۔



ابن سعو نے کئی ماہ تک ان وحشیوں کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اس زندگی نے اسے ایک مضمبوطاً اور بیادِ بدوی بنادیا۔ وہ بغیر سایہ کے کھلے سیداں ہیں سوتا، ان کے ساتھ سفر کرتا، بوٹار میں ان کا شریک رہتا اور خوب شکار کرتا تھا۔ بنی مڑہ نے بھی اسے اکثر گیگتا فی گلوبنلا دیکے کہ کس طرح ریت پر پیر کے نشانوں سے راستہ تلاش کیا جاتا ہے اور کیونکہ طویل سفر وں میں افسوسوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے ان کی بھیاروں کا کیا علاج ہے، کچھ واد

دُو وہ کی ایک مشکل کے ساتھ کیسے ریگستان میں طویل سفر طے کیے جاتے ہیں؟ یہ سب یا تین این سعوو کی آئندہ زندگی کے لیے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ثابت ہوئیں جن سے اس نے آگے چل کر خوب فائدہ اٹھایا۔ عبد الرحمن کو یہ وحشیانہ زندگی مطلقاً ناپسند تھی۔ ماشنگان مرہ جاہل اور لامذہ سب تھے۔ ان کی بدینظری سے عبد الرحمن کے غزوہ اور مذہبی احساسات کو خیس لگتی تھی اس نے انہیں آل رشید کے خلاف ابُغار نے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی آزاد اور خود مختار زندگی کے چھوڑ کر ان جگہوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ عبد الرحمن نے اس خصوصی میں اکثر قبائل کے شیوخ کو تفضیلی خط لکھے لیکن سب نے اسے خطرناک انسان سمجھ کر نکلا سا جواب دیدیا۔

عبد الرحمن کو اس سے سخت نامیدی ہوئی۔ عمر بھی اب بچا س سے تجاوز کر چکی تھی۔ چاہتا تھا کہ اپنے بال بچوں میں کچھ دن آرام کی زندگی سر کرے۔ لیکن حالات اس کے موافق نہ تھے۔ اسی اثناء میں کویت (بندرگاہ) کے شیخ محمد نے بے کویت آنے کی دعوت دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں احاساہیں ایک نیاتر کی حاکم حافظ پیاغا نامی آیا ہوا تھا، رشید کی قوت بڑھتی جا رہی تھی اور وہ آئے دن ترکوں اور بندرگاہ کویت: دونوں کے لیے خطرناک ثابت ہوا تھا اس لیے گورنر نے رشید کے زور کو کم کرنے کے لیے عبد الرحمن کی ضرورت محسوس کی اور کویت کے شیخ کے توسط اسے بلا بھیجا اور وظیفہ

دینے کا وعدہ کیا۔ انہا کیا چاہے؟ دو آنکھیں۔ عبدالرحمٰن نے  
شیخ کی دعوت کو خوشی سے لبیک کہا اور کویت آگر اپنے بال بچوں  
کو بھریں سے بلوالیا اور یہیں رہنے لگا۔

# میسر اب اب ریاض کی فتح

(۱)

کویت ایک ریگتائی شہر تھا، سر بزری و شادابی نام کو نہ تھی یہاں سعوی خاندان، ایک چھوٹے سے مکان میں پناہ گزیں ہوا جس میں صرف تین کمرے تھے۔ اتنے بڑے خاندان کے لیے آنا چھوڑا سامکان کیا کافی ہوتا۔ محل کی زندگی کے بعد یہ ایک قید خانہ معلوم ہوتا تھا۔ ہر جا یہ خاندان بڑی حسرت کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ فلیغہ بھی وقت پر بہت کم لگاتا۔ کیونکہ خود ترک شیخ کو دیر سے رقم دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ بذاتِ خود سعوی خاندان کا سرے سے خافت تھا اور وہ تو صرف ترکوں کا اشارہ تھا جو اس نے اس خاندان کو پناہ دی۔ تھوڑے دن بعد ترکوں نے عبدالرحمٰن کو ترکی فوج کے ساتھ

ریاض پڑھ کرنے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہ ترکوں کے ہاتھ میں کہ پڑی  
بن کر کام کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پہلے تو ان کے اس طرح حکم دینے کی وجہ سے جویں  
نہ آئی۔ جب معلوم ہوا کہ اسے ذلیلہ ترکوں کی طرف سے ملا کر تباہے تو اس کے  
غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن کرتا کیا؟ پہلے ہی اسے اگر اس کا علم ہوتا تو  
ترکوں سے امداد لے کر زندہ رہنے کے بجائے وہ فاقہ کی صورت کو ترجیح دیتا  
مگر اب اس کی حالت سقیم تھی اور رقم کی و اپسی امکان سے باہر  
پھر درویش بجان درویش کے پیچ و تاب میں رہا۔ ترکوں نے بھی  
اس کا یہ طور دیکھ کر ذلیلہ بند کر دیا۔ اب اس خاندان پر بڑی صیبست  
آپڑی۔ کھانے اور کپڑے کی بھی محتاجی ہو گئی۔ قرمنے کے سوائے لوگوں کی  
دوسری صورت نہ تھی۔ عبدالرحمٰن کی حیرت کسی کے آگے ہاتھ پھیلائی  
ھائی نہیں بھرتی تھی لیکن عسرت نے اسے اس کے لیے بھی جبرور کر دیا۔  
جب ابن سود کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو اس کی ماں نے ایک  
بڑوی لڑکی سے اس کی شادی کی قرارداد کر لی لیکن شادی کے موقع پر عبدالرحمٰن  
کے پاس پیسہ نہ تھا اس لیے شادی ملسوئی کرنی پڑی مگر میں وقت پر  
ایک سوداگرنے بہت ہی کشادہ پیشانی سے ان کی امداد کی اور ابن سود  
کی شادی ہو گئی۔ کوئی کی زندگی ابن سود کے لیے تجربات کی ایک  
وسيع دنیا تھی۔

اب تک وہ صرف ریاض کی نہیں نہیں دنگی اور ریگستان کے  
رہنے والے مرہ قبائل کے وحشی پن سے واقع تھا اس کے سوائے

جیدہ تبدیل کی اسے ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ یہاں آنے کے بعد ابن حُوْ  
کی آنکھیں کھل گئیں۔ کویت اس زمانے میں ملک فارس کا ایک عظیم اشنا  
بند رگاہ تھا۔ بیرونی، طہران، دمشق، ترکی، انگلستان وغیرہ سے  
تا جریہاں آیا کرتے اور ہمیں سے وسط عرب اور شام کے لیے قافلے  
روانہ ہوا کرتے۔ کویت کی آبادی کافی تھی اور شہر میں خاصی چیزوں پر  
رسنگی تھی۔ ابن سعوں بھی یہاں ایک معمولی عرب نوجوان کی طرح  
زندگی بسر کر رہا تھا۔ ساحل پر جا کر ایک وہ ملا جان کی گفتگو سنتا  
مہنلوں میں سافروں اور تاجروں سے مختلف قسم کی باتیں ہوتیں  
بعماد، دمشق اور قسطنطینیہ کی خبریں سن کرتا اور بیرونی حاکم کے باشندوں  
کے حالات تفصیل کے ساتھ دریافت کرتا تھا۔ اپنے ہم گروں سے  
ہنس بول لیا کرتا اور کبھی ان سے رٹا بھڑتا بھی تھا۔ نماز کے وقت  
اپنے بیپ کے ساتھ برا بس مسجد جاتا اور نہایت پابندی سے روزے  
لکھتا تھا۔ ابن سعوں کی سامنی تاشیں پینیوں کا فنکار نہیں بنا، اسکے  
دو وجہوں تھے، ایک تو بناست خود سخت نہیں تھا اور دوسرا اسکی  
شادی ہو پی تھی۔ یہ چیز راس کی زندگی کو کامیاب بنانے میں بڑی  
مفید ثابت ہوئی مدتہ ایک نوجوان کا حودنیا کے آثار حیر معاوہ سے  
بے بپڑہ ہو اور جس نے اپنی ابتدائی زندگی دھشیوں میں گزاری ہوئی  
سامنی بدغوانیوں میں بنتا ہو کر اپنی زندگی کو تباہ و بر باد کر دینا  
کوئی تعبیر کی بات نہ تھی۔

اس زمانہ میں کویت کا شیخ محمد تھا اس کے بھائی مبارک کے عبد الرحمن کے اچھے تعلقات تھے۔ وہ اُتران کے پاس ملاقات کے لیے آتا تھا۔ محمد اور مبارک کے تعلقات بہت زیادہ ناخوشگوار تھے۔ چند سال پہلے اُتران و فوں میں ناچاقی ہو گئی تھی اور مبارک نا راض ہو کر بسمی چلا گیا تھا۔ یہاں اس نے اپنی تمام دولت جتے اور آوارگی کی نذر کر دی تھی کے قرضوں کی ادائی میں اسے اپنی ماں کے زیورات بھی فر دخت کرنے پڑے اور آخر میں جب وہ بالکل قلاں ہو گیا تو کویت واپس آنے کے سوا کچھ چارہ نہ تھا۔ محمد نے بھائی ہونے کی حیثیت سے اپنے پاس تور کھائیں لے سے اس سے سخت نفرت تھی۔ مبارک عام طور سے بہت حنیف اور ملنسار واقع ہوا تھا۔ جس کے باعث اسے رعایا پرست چاہتی تھی۔ یہ چیزِ محمد کو بُری طرح کھلکھلتی رہی اور اسی سے وہ خائف بھی تھا۔ محمد نے مبارک کو ہمیشہ پیسے سے مجبور رکھنے کی کوشش کی اور جب بھی موقع طا اسے عوام میں ذلیل کرنے سے نہیں چکا۔ مبارک ابن سعود پر پہت ہر بیان تھا ملکہ اسے اپنے بیٹے کی طرح چاہتا تھا اور اپنے گھر بیاگر اکثر اس سے کام کی اپتیں کیا کرتا تھا۔ کچھ دن بعد حالات بالکل بدی گئے۔ مبارک اپنے بھائی کے سلوک سے تنگ آ کر ایک بھائی کی موسے اُسے قتل کر دیا اور کویت کا شیخ بن بیٹھا۔ شہروالے محمد کی کنجوسی اور مظالم میں

نگ آگئے تھے۔ مبارک کی دریا دلی اور فیاض طبیعت نے ان کے دل کو پہنچے ہی ہے مودہ لیا تھا۔ رعایا نے اس کی حکومت کو خوش آمدید کیا۔ مبارک کی دوستی کے باعث سعودی خاندان کو شہرت ہونے لگی۔ مبارک کا سلوک بھی ان لوگوں کے ساتھ نہایت اچھا تھا۔ ابھی مبارک کو شیخ بنے ہوئے کچھ دن ہی گزرے تھے کہ ریاض سے خبر آئی کہ نجد اور اطراف کے قبائل رشیدیوں کے خلاف بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ بشر طیکہ کوئی ان کی ہبہ بھی کرے۔ ابن سعود کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ جیسے ہی اس نے یہ خبر سنی قیادت کے لیے تیار ہو گیا اور فوراً ایک اونٹ متعدد کے راستے پر سرچہرے ساتھیوں کے ہمراہ ریاض کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اطلاع بے جیادت تھی۔ اہل ریاض بغاوت کے لیے قطعاً تیار رہ تھے۔ مبارک نے بھی ابن سعود کو کچھ امداد نہیں دی کیونکہ وہ خواہ مخواہ اور ایسے نازک وقت میں رشیدیوں سے اجھنا عقلمندی کے خلاف سمجھتا تھا۔ ابن سعود کا یہ جوش حقیقت میں پھپن تھا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے، اس قدر اہم کام کے لیے بلا کسی امداد کے روانہ ہو گیا اور وہ بھی ایک بوڑھا اور بیمار اونٹ لیکر اس رستے میں اس کا اونٹ لنگڑا ہو کر گرا اور مر گیا۔ اسے والی سے والی پڑا۔ اتفاق سے رستے میں ایک قافلہ مل گیا۔ ان لوگوں نے اسے سامان کے اونٹ پر بٹھا کر کویت پہنچا دیا جب ابن سعود اپنے مقام پہنچ گیا تو تمام لوگوں نے اس کی مغلانہ حرکت کا خوب مصکلہ اڑایا۔

اس اشارہ میں واقعات نے کچھ ایسا پیش کھایا کہ آن واحد میں کوئی  
کو عالمگیر شہرت حاصل ہو گئی۔ وہ اس طرح سے کہ جرمنی میں آبادی اور قوت  
حد سے زیادہ ہو گئی تھی۔ قصر چاہتا تھا کہ اپنی سلطنت کو وسعت وے  
لیکن کس طرح؟ وسعت کا راستہ صرف مشرق کی طرف کھلا ہوا تھا  
اور ہندوستان پر ان کی نظری گردی ہوئی تھیں۔ سب راستے انگریزوں  
کے قبضہ میں تھے۔ البته ایک راستہ کھلا تھا جو ترکی سے ہوتے ہوئے  
خالک عرب سے گذرتا ہوا میانچے فارس میں پہنچا ہے۔ اس لیے قیصر نے  
سلطان ترک سے دوستی کر لی ابھیں اسلام کا خلیفہ اور عربوں کا  
حافظ تسلیم کر لیا اور مشرق میں اپنے لوگ روانہ کیے۔ اپنے مقصد کی تکمیل  
کے لیے وہ قسطنطینیہ سے علی پو اور پیر پنداشتک ریل کی پڑی ڈالنا اور  
کویت کو جنگش بنانا ضروری خیال کرتا تھا کیونکہ کویت ہی میانچے فارس کی  
کنجی تھی۔

اگر نیز بھی کچھ ہیں تو برا بر ایک صدی سے ہندوستان کی طرف سے  
میانچے فارس کے لیے زور مار رہے تھے اور ساحل کے مقامی شیوخ سے  
اتخاد پیدا کر کے اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اب جب انہوں نے دیکھا  
کہ جرمن اس کے لیے کوشش ہے تو وہ کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے؟  
وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی طرح جرمنی ان کے راستے میں حائل ہو۔ نتیجہ  
یہ ہوا کہ یہ دونوں قوتوں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں جس سے  
کویت کی اہمیت بڑھ گئی۔

مبارک بہت ہی جہاں دیدہ تھا۔ وہ موقع کی اہمیت اور اپنی حیثیت کو سمجھ گیا۔ انگلستان، روس، جرمنی سے اس کے پاس نہائندہ آئے گئے۔ ان لوگوں کے منصوبوں سے واقع ہونے کے لیے مبارک نے بھی اپنے جاسوس لگا دیے۔ اب وہ پہلے کی طرح آوارہ اور شرخاہ نہ تھا بلکہ ایک مستعد ہو شیار اور معاملہ فہم انسان بن گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر جرمنوں کو ریل کی پٹری بھپانے میں کامیابی ہو گئی تو بس کویت کا خدا حافظ ہے۔ وہ سب کو وعدہ فردا پر مانا تاگیا۔

جرمنوں نے اس کی یہ فراست حسکھ کر ایک چال چلی اور سلطان سے مل کر اس پر دباؤ ڈالنا شروع کیا اور مغزول کرنے کی سازش سے کیا۔ مبارک کو ان منصوبوں کی طلاق ہو گئی اور وہ فوراً انگریزوں سے مل گیا۔ ترکوں نے رشیدیوں کا ساتھ دیا اور ان کے مل ہیں یہ بات بھاولی کہ مبارک ان کے خلاف سوادیوں کو امداد دے رہا ہے۔ یہ بات رشیدیوں کے سمجھ میں آگئی اور انہوں نے فوراً کویت پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

(۳)

مبارک بھی خطرہ کوتاڑ گیا، اب وہ بڑی ادھیڑپوں میں پڑ گیا۔ اسکے پاس دتوکافی فوج تھی اور نہ ہی کویت کے باشندے جنگ بدل اور مقابلہ کے لیے تھے۔ شہر کی فصیل بھی بوسیدہ ہو چکی تھی اور حاصلہ کی مدافعت بھی اس کے بس سے باہر تھی، بہر حال اس نے آئے والے

خطہ سے آگاہ ہو کر ماضت کے انتظامات شروع کر دیے اور ملک کے  
قبائل کے نام اتحاد کے لیے پولنے بیجے۔ مڑہ، جہان، مطیر قبائل اور  
منظفک کے شیخ سعدن نے اس کا ساتھ دیا۔ ساتھ ہی اس کے مبارک  
نے عبد الرحمن اور ابن سعید سے بھی اتحاد اور دوستی کا پیمانہ کر دیا اور ان سے  
وہ مدد لیا کہ وہ ضرورت کے وقت سخنہ دیں سے امداد دائیں گے۔

لیکن اسی اثناء میں عبد الرحمن کو مبارک کی گذشتہ زندگی کے حالت  
علوم ہو گئے جس سے وہ بذلن ہو گیا۔ اس کے ملاوہ مبارک کا طرز زندگی  
بھی اسے کچھ بھاتا نہ تھا۔ وہ امیر از خاتم سے رہا کرتا تھا۔ ندق برق  
پوشک پہنچتا تھا۔ اس کا محل قسمتی فرنچس اور چند تصویریں تباہ سے آرکتہ  
پیراست تھا۔ وہ نماز روزہ کا بھی کچھ ایسا زیادہ پابند نہ تھا بلکہ عورتوں کا  
گانا سنتا اور شراب پیا کرتا تھا۔ یہ سب یاتم و بائی عقائد (فی الحیثیت  
اسلام) کے خلاف تھیں اس لیے عبد الرحمن کو مبارک کی طرف سے  
نفرت پیدا ہو گئی اور اس نے اپنے لڑکے ابن سعید کو بھی اس کی محبت  
میں رہنے سے منع کر دیا۔ مگر ابن سعید کی خاص مقصد کے تحت خنیہ ملے  
پر اس سے طاکرتا تھا۔

مبارک اور ابن سعید میں بہت گہری دوستی ہو گئی۔ مبارک ہمیشہ  
اسے اپنے ہمراہ رکھتا اور اکثر معاملوں میں اسی سے مشورہ کرتا اور  
پیچیدہ معاملات کے نکات کو اسے بتلاتا تھا۔ اس سے ابن سعید  
کی معاملات میں اضافہ ہوتا گیا اب تک اسے اس قسم کی باقول سے

دوچار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ابن سعود کو سپلی دفعہ غیر مالک کے لوگوں  
یعنی انگلستان، فرانس اور جرمن کے نمائندوں سے ملنے، ان کی گفتگو  
سننے اور ان کے طرز زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ مبارک ان سے خالی  
ڈھنگ سے ملا کر تھا۔ حقیقت میں اسی کی بہت اور اسی کا تجربہ تھا  
جو وہ کویت پر اس سخیگی کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یعنی کہ  
کویت مختلف قسم کے لوگوں کا مرکز تھا، بیروفی مالک کے تاجر اکثرہ بال  
آیا کرتے تھے اور عرب کے اکثر علاقوں کو جانے والے قافلے ہیں سے  
ہو کر گزرتے تھے۔ مبارک کے لیے ان سب سے نہ نہنا اور ان سب  
سے دوستاد تعلقات قائم رکھنا ضروری تھا۔

دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں کویت پر دنیا کی دو بڑی قویں  
وانٹ لگانے یعنی یمنی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں اگر یہ فراموشی بزرگی  
سے کام لیتا یا اس سے ذرا بھی لغزش ہو جاتی تو کویت ہمیشہ کے لیے  
اس کے کیا بلکہ عربوں کے قبائل سے بھی نکل گیا ہوتا۔ اسی لیے اس نے  
میانہ طریق کا اختیار کر رکھا تھا اور اسی میں اس کی بخات تھی۔  
ایسے زمانہ میں مبارک کا ساتھ ابن سعود کے لیے آئی رحمت  
ثابت ہوا اور وہ رفتہ رفتہ مختلف قسم کی سیاسی چالوں اور مختلف  
استعداد کی حکومتوں سے نازک سے نازک مددوں پر گفتگو شنید  
کرنے کے ڈھنگ سے روشناس ہوتا گیا پہلے ہی سے وہ بہت  
ذکی الطبع واقع ہوا تھا ان حالات نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔

ابن سعوہ میں اب خود اعتمادی پیدا ہوئی گئی وہ مستقبل کے خوش آئندہ خواب دیکھنے لگا اور اپنے ساتھیوں سے فخریہ اماراتیں کہتا تھا کہ میں ریاض اور سندھ کا داراث ہوں اور ایک نہ ایک دن رشیدیوں کو ریاض سے بے خل کرنے کے رہوں گا۔ سب لوگ اس کے باقیوں پر سفتے اور اس کی پہلی ہم کی یادو ہانی کر کے پتھیاں اڑاتے تیکن ابن سعوہ ان باقیوں سے پست بہت ہرنے والا نہ تھا بلکہ اس کے ارادے پہلے سے زیادہ مضبوط ہونے لگے۔

(۲۱)

مبارک چاہتا تھا کہ رشیدیوں سے پہلے خود اس پر حلہ کر دیے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے حلیفوں کو جمع کیا اور جب دس نہار آفی جمع ہو گئے تو حلہ کے لیے روانہ ہوا اور اپنے ساتھ عبدالرحمن کو بھی لے لیا۔ عبدالرحمن نے ابن سعوہ کو جنوب کی طرف روانہ کیا تاکہ اوھرے تھوڑی بہت وقت جمع کر کے ریاض پر حلہ کرے۔ ابن سعوہ اپنے پچھیرے بھائی جلوی اور سندھ کے چند بھادر نوجوان ساتھیوں کو لیکر جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ اور ریاستان کے اکثر قبائل سے مل کر اپنے مقصد کو ان کے آگے پیش کیا۔ رشیدیوں کی سختیوں سے قبائل تنگ آچکے تھے اور پھر سے سعوی حکومت کے خواہاں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر اور بیشتر قبائل نے ابن سعوہ کا ساتھ دیا اور جب وہ ریاض کی طرف بڑھا تو اس کے ساتھ ایک بڑی فوج تھی۔

اسی اثناء میں یک ایک شمال سے خبر آئی کہ قصبه سارف کے پا

رشیدیوں کا مبارک سے مقابلہ ہوا۔ مبارک کے ہمراہیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ منطفاً بھی انجان ہو گیا، مجاہینوں نے بھی دہ دی اور مبارک بے پارو مددگار رہ گیا اور اگر اس موقع پر زور دار پارش نہ ہوتی تو مبارک ٹھنڈا ہو گیا ہوتا۔ یہ خبر سن کر اکثر قبائل گھبہ کئے۔ ان پر پہلے ہی سے رشیدیوں کی دعا کی تھی اب تو وہ بھی پریشان ہو گئے اور بھوپال نے چکے سے گھروں کا رُخ کیا۔ یہ حال دیکھ کر ابن سعود اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ کویت واپس آیا اس کے کچھ بعد ہی رشیدی ریاض پہنچا اور ستر کے طور پر اس نے بند کے اکثر گاؤں جلوادیہ شہر بریہ میں ایک تیواں سرداروں کو سوی دی اور دوسروں کو سخت جرمافی کیے۔ یہاں سے وہ مبارک کی طرف پہنچا۔ مبارک بالآخر بے بس تھا اس کے دوستوں نے عین وقت پر اس کا گلا کاٹا۔ اس کے پاس فوج تھی اور نہ ہی اس کا شہر ضمیل سے محصور تھا۔ اس کے ساتھ سامنے سوادی خاندان بھی جھگڑے سے میں آگیا۔ عبدالرحمن نے ارادہ کیا کہ وہ من آنے سے پہلے ہی فرار ہو جائے لیکن اس اشنا میں انگریز آگئے۔ انہوں نے مبارک کا ساتھ دیا اور رشید کو واپس جانے کی دھمکی دی۔ رشید و اپر چلا گیا۔

(۵)

رشید نے مبارک کو علائیہ شکست دیدی تھی۔ یہ تو انگریزوں کی وجہ تھی کہ وہ بال بال بچ گیا اور نہ اگر انگریز پیچ میں نہ آتے تو رشیدی

مبارک کی حکومت کو پارہ پارہ کر کے لکھ دیتے۔ لیکن اس کے باوجود این سعد اس کو شکست تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کی عمر اس وقت بیسالی کی تھی۔ وہ مصبوطِ تنومند، دلیر اور متقل مزاج بروئی تھا اس میں جوانی اور خاندانی شرافت کا خون موجود تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں سے غصہ کے مارے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے بھائیوں کو بعثتِ ملامت کی، وہ باغی فاسق اور فاجر تھے۔ اپنے ساقیوں کے سولی دیئے جائے پر وہ آگ بکولا ہو گیا اور مبارک کو جنگ کے لیے ابھارا لیکن اس نے اپنی حالت کا اندازہ کر کے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد خود اس نے مختلف قبائل کے شیوخ سے مل کر امداد چاہی لیکن سبھوں نے سارے کا فقصہ ناکر سکوت اختیار کیا این سعد کو ہر طرف سے ناکافی ہو گئی۔ اب این سعد بے حد بے چین تھا، کامی کی زندگی سے وہ قبر کے گوشہ کو زیادہ آرام دے سمجھتا تھا۔ لوگوں کے طعنوں تشنوں سے اس کا کلیچہ منڈ کو آنے لگا۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تلا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اسے بہت کچھ روکا اور اس کے بھڑکے ہوئے چدیات کو دیانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ اہل خند پر اسے کامل بھروسہ تھا اور وہ جاننا تھا کہ اگر ان کی مناسب رہبری کی گئی تو وہ شیدیوں کو بے دخل کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔ این سعد اپنے خیال کی تکمیل کے لیے ہر طرح تیار تھا۔ لیکن اس کے پاس روپیہ پیسہ اونٹ اور آلاتِ حرب کی کمی ورنہ کبھی کادہ اس ہم کے لیے

روانہ ہو جاتا۔ مبارک سے اس نے امداد کے لیے درخواست کی۔ مبارک ایک سنجیدہ اور جیاں دیدہ انسان تھا۔ اس نے پہلے تو سمجھا یا بھجا یا اور مالا کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی مگر ابن سعود اپنی بات پر اڑا رہا۔ بالآخر مبارک نے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ تیس اونٹ بیس بندوقیں اور دو سو ”ریال“ (ایک قسم کا سکہ) اس کے حوالہ کیے۔

اب کیا تھا، ابن سعود کی مراد بُرائی۔ اس نے درجی وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی دو بیویوں اور پہلی مر جوہ بیوی کے لئے کہ ترکی کو والد کے پاس چھوڑ کر اپنے ہمراہ بیویوں کے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔

ان میں جلوی اور اس کا بھانی محمد بھی شامل تھا۔ سفر کی پوچی تیاری کے بعد ابن سعود رشتہ والوں سے ملنے کے لیے ٹھرایا۔ ماں باپ نے پہتیرا سمجھا یا کہ ابھی وقت نہیں آیا لیکن اس کی بہن توری نے باپ کی بات کاٹ کر بھائی کی بہت افزائی کی۔ وہ ابن سعود سے زیادہ جوش میں تھی۔ با لآخر عبد الرحمن نے رخصمت کی جاڑت دی اور یہ مختصر ساقا فل، ایک غلیم شہنشاہ مقصود کے ساتھ رات کی تاریکی میں ریگستان کی طرف روانہ ہوا۔ ابتداء ہی سے ابن سعود کو کامیابی ہوتی گئی کیونکہ ریگستانی سفر کے متعلق وہ مرتہ میں کافی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ اس تجربہ بنے یہاں اس کی بڑی رہبری کی اور قافلہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ راستے میں اگرچہ لغینیں کاموں قافلہ یا گروہ مل جاتا تو یہ لوگ ار پیٹ کر کے روپیہ پسیہ اور آلات حرب پہن لئتے

اور فرما دوسری طرف۔ میں تک نکل جاتے مابن سعود راتوں کو بہت کم سوتا تھا۔ گرم ریت میں گڑھا بنا کر گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کر لیتا اور چھپاٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور جب سب لوگ تھک کر سو جاتے تو خود ان کی خانفت کیا کرتا تھا۔

ابن سعود کو رانی سے خاص شفت تھا اور وہ بھی دو بدو رانی سے۔ وہ شیر کی طرح گھبھے ہوئے دشمن پر جلد کرتا اور ایسے وار لگتا تھا کہ دن کی صفائی بکھر جاتی تھیں کیونکہ اس کے مقابلہ کی جرات دہنی تھی۔ اس کی اس بہادری کو دیکھ کر اس کے ساتھیوں کے دل اور بھی ٹرکے۔ احصار کے قریب اس نے ایک عجمانی اور ایک رشیدی قافلہ کو لوٹ لیا اس طرح بہت سامال فتحیت اس کے ہاتھ آگیا۔ اب اس کے پاس کافی روپیہ جمع ہو گیا تھا اور ساتھ ہی ابن سعود بہت ہی دریا دل واقع ہوا تھا جس کے باعث بدھی اس کے اطراف جمع ہونے لگے۔ لیکن وہ ابھی سلطنت نہ تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد بدھیوں کو فراہم کر کے لوٹ مار کی زندگی بسر کرنا ہمیں تھا بلکہ وہ نجداً اور ریاض کے باشندوں کو رشیدیوں کے خلاف ابھارنا پاچا ہتا تھا۔ اس سلسلہ میں ابن سعود کو کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ کچھ دنوں میں اس کی پونچی ختم ہو گئی اور بدھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور رشید نے اس کے تعاقب میں اپنی فوج روانہ کی، ایک طرف سے ترکوں نے دہانہ شروع کیا۔ دوسری طرف سے عجمانی ٹوٹ پڑے اور عبدالرحمن نے بھی لکھ بھیجا۔

”ہم تمہارے لیے بے پین ہیں اور تمیں کو بیت آنے کی فضیلت کرتے ہیں۔ یہ وقت مناسب نہیں ہے۔“

ان حالات نے ابن سعید کو سخت پریشان کر دیا۔ دوسرا کوئی کم ہمت ہوتا تو اس کے چھکے چھوٹ جاتے مگر ابن سعید ارادہ کا بیکا اور مستقل فراج تھا۔ جب تین کے پاس اس نے اپنے کل ساتھیوں کو جمع کر کے سب حالات من و عن ان کے آگے پیش کر دیے اور ان سے مسلح و شورہ کیا۔ وہ بذات خود لانے کے لیے تیار تھا۔ اس نے کہا کہ جو لوگ ساتھ دینا چاہتے ہیں ٹھیک اور جو اپس جانا چاہتے ہیں خوشی خوشی جا سکتے ہیں۔ چند آدمی چلے گئے اور اس کے پاس تمیں آدمیوں کے علاوہ اور چالیس آدمی اور ان کے غلام اور جلوی اور اس کا بھانی محمد اس کے ساتھ ہو گئے۔ عین قصر جامعت آپ ہر طرف سے دشمنوں کے نرخے میں تھی۔ اس سے وہ پست ہمت نہیں ہوا۔ چنانچہ ایک وضھہ اس نے اپنے بابکے پاس کے پیغام سے کہا۔

”جاوہر جاکروالہ سے وہ سب کچھ کہد و جو تم نے دیکھا اور رُسنا ہے ان سے یہ بھی کہد و کہ میں کسی حالت میں بھی اپنے ملک کو رشیدیوں کے ہاتھ میں اور خاندان کو اس تباہ اور برباد حالت میں دیکھنہ نہیں سکتا۔ ناکافی سے موت ہزار درجہ بیتر ہے سب کچھ خداوند کریم کے ہاتھ میں ہے۔“ اس کو اپنے خدا اور اپنے صنیع کی آواز پر کافی مجرو سہ تھا!!

اب ابن سعود میں پہنچ کا سامان حشیا نہ بن د تھا بلکہ وہ دن بدن  
سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ بہت غور سے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد  
وہ اس تصحیح پر بہنچا کہ وٹ ار فضول ہے۔ مٹھی بھر آدمی نہ تو بڑی  
فوج کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں  
ایسی صورت میں اس نے یہ مناسب خیال کیا کہ کوئی ایسی عجیب خوبی  
حرکت کی جائے کہ تمام لوگ اس سے چونکہ ہیں۔ فوراً اس کے ذہن میں  
ایک خیال آیا اور اس نے اپنے چاؤں ریاض کی طرف روانہ کر دیے۔  
چاؤں نے اطلاع دی کہ ریاض میں کافی فوج ہے وہاں کا عامل ایک  
شہری شیخ عجلان ہے جو قلعہ کے سامنے والے مکان میں رہتا ہے۔  
ریاض اور سارے نجد کے لوگ غیر مطہن ہیں رشیدیوں سے اپنیں سخت  
نفرت ہے اور پھر سے وہ سعودی حکومت کے خواہاں ہیں لیکن انہیں صرف  
ایک رہبر کی ضرورت ہے۔ یہ حالات بلاشبہ ابن سعود کی تائید میں تھے۔  
لیکن محدودے چند آدمیوں کو لیکر ریاض پر حملہ کرنا جان پوچھ کر موت کے  
منہ میں بانا تھا اس وقت اس نے یہ ایک تجویز پیش کی کہ اگر ہم لوگ پچاہن  
تک خاموشی سے میٹھے رہیں تو خالین یہ سمجھیں گے کہ ابن سعود تباہ دریا ہو گیا  
اس کے ہمراہیوں نے ساتھ چھڑ دیا ہو گا۔ مگر یہ تجویز اس کے ساتھیوں کو  
پسند نہ آئی وہ اپنے بیوی اپھوں کے لیے بے پیش تھے۔ جنگ کے بغیر  
ایسی خاموش زندگی انہیں قطعاً پسند نہ تھی۔ بریں ہم ابن سعود نے

انہیں سمجھا بجا کر رامنی کر لیا۔ یہ گروہ اب نہایت ہوشیاری کے ساتھ ریگت افول میں چھپا ہوا زندگی بس کر رہا تھا۔ کھجوروں اور ریگتافی چپسوں کے غلیظ پانی پر ان کی زندگی کا دار و دار تھا۔ یہ دن بڑی بے صینی اور بھجن میں گزرے۔ خدا خدا کر کے رمضان کا ہمینہ آپنپا اور ابن سعو جبوی اور ابن کے دوسرے اکثر ساتھی پابندی سے روزے رکھنے لگے۔ بیویں مضا کو افطار کے بعد ابن سعو نے کوچ کا حکم دیا۔ آخری ہمینہ تھا اور رات میں تاریک۔ اسی یہے یہ قافلہ لوگوں کی آنکھ بچا کر رات میں سفر کرتا اور ن میں قیام کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ سفر بڑی سستی کے ساتھ طے ہو رہا تھا اور اٹ بھی لا غر اور بے دم ہو چکے تھے اور کھانے کو بھی پاس کچھ نہ تھا۔ الفرش ابوجیان کے چپسوں کے پاس اس خاد بدوش قافلہ کی عید ہوئی۔ عید کرنے کے بعد یہ لوگ طیلت کی پہاڑیوں کے دامن سے ہوتے ہوئے دل اشٹی کے نخست ان کے پاس پہنچے یہاں سے ریاض پیل دیرہ گھنٹہ کا راستہ تھا۔ اس مقام پر اس نے میں آدمی اونٹوں کے ساتھ چھوڑ دیے اور کہا

”میں ریاض جا رہا ہوں جب تھیں بلاوں فوراً آ جانا اور اگر نہ آ کو تو کویت واپس جا کر اطلاع دیدینا کہ میں یا تو مر جکا ہوں یا رشدیوں کی قید میں ہوں“

اس کے بعد ابن سعو اشٹ کا نام لیکر کھجور کے درختوں کے سایے تلے سے ہوتا ہوا ریاض کی طرف چلا۔ شمسی کے مقام پر پہنچنے کے بعد اس نے

مجوہ کے ایک درخت کو کاٹ کر سیری میں بنائی اور جلوی اور جھوہ آدمیوں کو لیکر باقی کر  
مجھ کے ساتھ وہیں چھوڑ دیا۔ اور کہا  
”دیکھو اگر کل تک تمہیں ہماری کچھ خبر نہ ملے تو فوراً گھر کا رُخ کرو۔ اور  
سمحو کو کہ ہمارا خاتمہ ہو چکا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الالا اللہ۔“

( ۷ )

جلوی اور اپنے جھوہ آدمیوں کو لے کر ابن سود و گوں کی نظروں سے  
بچتا ہوا قلعہ کی دیوار کے پاس سینخا اور ایک مقام پر موقع پا کر سیری کے  
ذریعہ شہر تیں داخل ہوا۔ یہ وسط جنوری کا ہمینہ تھا۔ سر دھوائیں کثرت  
کے ساتھ چل رہی تھیں اس لیے اہل شہر اپنے اپنے گرم بستروں پر آرام کی  
نیند سو رہے تھے۔ یہ چند آدمی اپنے ہتھیاروں کو پکڑوں میں چھپ کر خالی  
گلیوں میں سے ہوتے ہوئے جو آسیر چوڑا ہے کے مکان پر پہنچنے جو  
عامل ریاض کے مکان کے قریب رہتا تھا۔ ابن سود دروازہ لٹکھا ڈالا  
اندر سے ایک عورت نے پوچھا ”کون ہے؟“ ابن سود نے جواب دی۔  
”میں عامل کے پاس سے آیا ہوں جو آسیرے سے دو گائیں خرینی ہیں“  
عورت نے ڈانٹ کر کہا ”چلے جاؤ تم ہمیں کوئی بازاری عورت میں سمجھتے ہو،  
نکل جاؤ۔ اتنے وقت گئے جب کہ گھر میں مرد ہوں دروازہ لٹکھا ڈالا  
ٹھیک نہیں۔“

اگر تم نے دروازہ نہیں کھولا تو میں عامل صاحب سے کہد و گھا اور پھر کل وہ  
جو آسیر کی خبر لے گئے۔ یہ کمکروہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بازو ہٹ گیا۔

پچھے دیر بعد ایک آدمی اندھے نکلا۔ ابن سعوہ کے آدمیوں نے چھپت کر اُنے پکڑ لیا اور فوراً اس کے منہ میں کپڑا محسوس دیا۔ اور سب کے سب دروازہ کھول کر مکان میں داخل ہو گئے۔ شخص پہلے محل کا ملازم تھا۔ جیسے ہی اس نے ابن سعوہ کو دیکھا چلا اٹھا۔ اُرے یہ تو ہمارے آقا عبد العزیز ہیں۔ یہ سنکر گھر کے سب لگ اس کے اطراف جمع ہو کر ادب سے سر زکوں کھڑے ہو گئے۔ یہ ملازم بہت سی اہم باتوں سے واقع تھا۔ اس نے بیان کیا کہ قلعہ میں رشید کے سپاہی موجود ہیں۔ نہیں کسی حل کی توقع ہے اور نہ وہ اس کی مدافعت کے لیے تیار ہیں۔ حاکم پہنچوم قلعے میں سوتا ہے۔ دن نکلنے کے بعد وہ گھوڑوں کا معاشرہ کرتے ہوئے کبھی پیدل اور کبھی گھوڑے پر اپنے مکان آتا ہے۔ محافظ دستہ کے بغیر وہ گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس کا گھر جو اسی رکے مکان سے ایک مکان بعد کو تھا۔ اس پر کوئی پہرہ نہ تھا۔

ابن سعوہ نے مکان کی چیت پر چڑھ کر عجلان کے مکان کا خی کیا اور بازوں لے مکان میں داخل ہوا۔ مالک مکان اور اس کی جیوی دونوں محو خواب تھے۔ اس کے آدمیوں نے انہیں اس طرح بامداد دیا کہ وہ آواز نہ کر سکیں۔ عامل کا مکان باذہی تھا۔ یہ دونوں عمارتیں اس لیے ابن سعوہ کے ساتھی ایک دوسرے کے کندھوں پر چڑھ کر چھت پر پہنچ گئے اور پچھے دیر کے لیے خاموش لیٹ گئے تاکہ یہ حسلام کر سکیں کہ کوئی ان کی تقلیل و حرکت کو دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ جب انہیں

ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے وہ مکان میں داخل ہوئے۔ چند آدمی دالان میں سو رہے تھے انہوں نے پھر تی سے انہیں باندھ کر ایک کو ٹھپٹھپی میں بند کر دیا اور باقی آدمیوں کو چھوڑ کر اب سواد جلوی عامل کی خوا بگاہ میں پہنچے۔ یہاں دو عورتیں تھیں۔ ایک عامل کی بیوی اور دوسری اس کی بہن یہ دونوں انہیں وکھکھ کر سہم گئیں ابن سوادے عامل کی بیوی مطلبہ کو بھاپن لیا کیونکہ محل کے ایک ملازم کی لڑکی تھی۔ ابن سوادے بڑھ کر مطلبہ کے اور جلوی نے عامل کی بہن کے سامنے پرمانند رکھ دیا اور ابن سوادے کہا

” مطلبہ خاموش رہ درد میں تجھے مارٹاں لگا تو بڑی بذفات ہے کیونکہ تو نے ایک شامری سے شادی کی ہے ۔“

مطلبہ نے سکتی ہوئی آواز میں حباب دیا۔

” سر کار میں بذات نہیں ہوں جب آپ لوگوں نے ہمیں چھوڑ دیا تب میں نے شادی کر لی۔ فرمائیے آپ کا یہاں آنا کیسے ہوا؟“

” میں محلان کو قتل کرنے آیا ہوں۔“

” محلان قلعہ میں ہے اور اس کے ساتھ کم از کم اسی آدمی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ اس سے قبل کہ وہ آپ کو دیکھ کر قتل کر دے اے آپ یہاں سے چلے جائیے۔“

” وہ مکان کب والیں آتا ہے؟“

” صحیح ہونے کے کوئی ایک لگنہ بعد؟“

”اچھا تو تم لوگ اب خاموش رہو اگر فرما بھی آواز نکلی تو گلا گھونٹ دوں گا۔“  
یہ کہداں عورتوں کو ملائیں کے ساتھ بند کر دیا۔ اب دن نکلنے میں صرف چار گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ ابن سعو بازو کے کمرے میں آیا۔ اس کی کھڑکیں کھلی ہوئی تھیں۔ سامنے ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ قلعہ کی فضیل اور اس کا مضبوط دروازہ صاف دکھانی دے رہا تھا۔ فضیل پر ایک سپاہی پہنچ دے رہا تھا۔ اور جو طرف خاموشی چھانی ہوئی تھی۔

ابن سعو اپنے دو آدمیوں کو محمد اور اس کے سانچیوں کو بلا نے کے لیے بھیجا۔ یہ آدمی بہت جلد آگئے۔ ابن سعو نے مکان کی کھڑکیوں پر پرے رکاویے۔ اب ایک ایک پل بڑی مشکل سے گزر رہی تھی۔ بالآخر سعو نے فخر کی نیازاً داکی اور سلیح ہو کر آفتاب کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

(۸۱)

سوندھ طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد ابن سعو کے ایک آدمی نے جو کھڑکی پر پہنچ دے رہا تھا آواز دی۔ ابن سعو کھڑکی کی ہڑف گیا۔ سامنے کے میدان میں غلام گھوڑوں کو لیے جا رہے تھے اور قلعہ کے اندر ہل پل شروع ہو گئی تھی۔ ابن سعو نے آخری احکامات دیدیے اور چار آدمیوں کو کھڑکیوں پر تعمین کر کے تاکیدی کہ جیسے ہی عجلان طلوع سے باہر نکلے بندوقیں چلانی جائیں۔ اتنے میں قلعہ کا دو ہر اچھا مکان کھلا اور عجلان اپنے حافظہ دستہ کے ساتھ قلعہ کے باہر آیا۔ اور ابن سعو اپنے

آدمیوں کو ساتھ لے کر شیر کی طرح گرجتا ہوا عجلان کی طرف جھپٹا۔ عجلان نے بھی تلوار چینچ لی۔ اور ابن سعود پر وار کیا۔ ابن سعود نے اس وار کو اپنی بندوق پر روک لیا اور دونوں گتھو پڑے اور رڑتے رڑتے زمین پر گر گئے یہ حال دیکھ کر حافظہ ستہ کے سپاہی تتر بر ہو گئے اور قلعہ کی طرف بھاگئے لگئے۔ ان میں سے ایک سپاہی نے ابن سعود پر وار کیا لیکن جلوی وہیں کھڑا تھا۔ اس نے نہ صرف وار روکا بلکہ ایسی کاری ضرب لگانی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ عجلان بڑی ہمت سے مقابلہ کر رہا تھا۔ لیکن کہ تک؟ طاقت جواب دینے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ قلعہ کی طرف بھاگ نہیں لیکن ابن سعود نے بندوق چلانی جس سے اس کا بازو ذرخی ہو گیا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اذر سے قلعہ کے سپاہی دوڑتے ہوئے آئے ادھر سے ابن سعود کے آدمی آگھے اور قلعہ کی بچھاٹک کے پاس یہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک تہمکہ بیچ گیا۔ فصیل پر سے سپاہیوں نے گولیاں چلانیں اور پتھر بر سانے لگے۔ ابن سعود کے بازو جو ایک تھا اسے ایک گولی لگی اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔ ایک اور سپاہی بھی ذرخی ہوا۔ اب عجلان کے سپاہی ابن سعود کے مقابلہ تھے اور یہ برابران کے ٹکلوں کو روک کر ان پر وار کیے جا رہا تھا۔ اسی طرح رڑتے رڑتے وہ عجلان سے قریب ہوا۔ عجلان نے لیٹے لیٹے ابن سعود کو ایک لات ماری جس سے اُسے سخت چوٹ آئی۔ سپاہی قلعہ کا بچھاٹک بند کرنا چاہتے تھے لیکن جلوی اپنے تین آدمیوں کے ساتھ نہیں برابر

روک رہا تھا۔ اسی اثناء میں عجلان نے مسجد کا فتح کیا لیکن جلوی نے  
مسجد کی سیڑھیوں پر اس کے دو مکڑے کر دیے۔

عجلان کے قتل کے بعد ابن سعود اپنے آدمیوں کو لے کر قلعہ میں  
گھسا، کچھ آدمی فصیل پر چڑھ گئے اور کچھ شہر میں جا کر ابن سعود کی فتح کا  
اعلان کرنے لگے۔ اہل ریاض خواب سے بیدار ہوئے۔ وہ پہلے ہی سے  
رشیدیوں کے مظالم سے تنگ آچکے تھے۔ انہوں نے سعودی حکومت  
کا خیر مرقدم کیا۔ اب ابن سعود ریاض کا حاکم تھا!

# چوتھا باب

## رشیدیوں کی شکست

ابن سعود کی یہ درختان کا میانی تھی۔ مٹھی بھر آدمیوں سے نجد کے ایک ممتاز شہر کو فتح کرنا، واقعی قابل تعریف اور جو اندری کا کام تھا !

ابن سعود اب ریاض کا حاکم تھا لیکن اس سے کیا ہوتا؟ نجد کے قبائل کا اتحاد ضروری تھا۔ ایسی اتفاقی فتح سے اہل ریاض مطمئن ہوئے۔

یہ ان کا بارہا کا بھرپور تھا کہ آج ایک گاؤں یا شہر فتح ہوا اور بھروسے روز ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے علاوہ گذشتہ سالوں سے سعیدیوں کو شیدیوں کے مقابلہ میں سلسلہ شکست ہو رہی تھی، پھر کس طرح نجد کے باشندوں کو ایک ناتجیہ کا رفوجان کی اس اتفاقی فتح سے اطمینان حاصل ہو سکتا تھا۔

نجدی قبائل نے سعودیوں کی طرف داری کا کوئی قلعی فصیلہ نہیں کیا۔ البتہ

اہل ریاض اور دوسرے سو آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ بھلا آنی تقلیل  
شہزاد شامروں کی باقاعدہ فوج کے ساتھ کیا مقابلہ کر سکتی؟  
بہر حال آگے چل کر خواہ اونٹ سی بھی کروٹ بیٹھے، اس وقت تو  
ابن سود ریاض کا حاکم تھا اور اہل ریاض اس کے ہم نوا تھے۔ قلعہ کی  
دیوار شکستہ ہو گئی تھی، اہنوں نے دن رات کی محنت سے اسے تعمیر  
کر دیا۔ برج بنائے، خندق کھودی، رسد بھم پہنچانی اور رشیدی حکومت  
کے زمانہ میں جوالات حرب دین میں دفن تھے انہیں نکال لیا۔ ابن سود  
اب چل کی مانعت کے لیے تھوڑا بہت تیار تھا۔ اس اثناء میں اس نے  
ایک فوجی دستہ بھی تیار کر لیا۔

ان باتوں کی اطلاع جب رشید کو ملی تو وہ بہت بہرہم ہوا اور  
کہنے لگا ”یہ غریب بے وقوف یہ تو ایک پرندہ ہے جو جال ہیں نہیں گا۔“  
اس وقت رشید دوسرے اہم کاموں میں مصروف تھا۔ اس کی  
نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ کام سے فارغ ہو کر وہ اس  
کی خبر لینا چاہتا تھا۔

ابن سود گونپولین کی طرح جلگی چالوں سے واقف تھا۔  
تاہم اس میں فوجی ذکادت پر رجہ اتم موجود تھی۔ وہ جاننا تھا کہ رشیدیوں  
کی اتنی بڑی فوج کے مقابلہ میں اس طرح قلعہ بند رہنا قرینِ صلحت  
نہیں تا وقتیکہ باہر نکل کر کچھ ہمچل نہ کی جائے مقابلہ یا کامیابی خام خیالی  
ہے۔ اس نے فرداً اپنے والد کو ریاض کی فتح کی اطلاع بھیجی اور ریاض

آنے کی درخواست کی کیونکہ ریاض کی مانگت کے لیے وہ اپنے باپ سے  
زیادہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔

عبد الرحمن اپنے دوسرے لڑکے عبد اللہ کو ساتھ لے کر کوئی سر  
نکلا اور احسا، سے ہوتے ہوئے ریاض کی طرف روانہ ہوا۔ راستیں  
اس نے مکملہ حفاظتی تداہیر کے ساتھ اپنے سفر کو پورشیدہ رکھنے کی کوشش  
کی۔ بالآخر جپیتے چھپا قریگستان دہشت کے غیر آباد علاقوں سے ہوتا ہوا  
وہ بعدہ نہراں شکل خیر و فائیت سے ریاض پہنچا۔

ریاض کے باخندوں نے عبد الرحمن کا پرجوش خیر مقدم کیا اور  
اسے اپنا حاکم تسلیم کیا۔ تھوڑے دن بعد عبد الرحمن نے ریاض کے علماء  
اور شرفاوں کو جمع کر کے ابن سعود کو اپنا جانشین قرار دیا اور سعود عظیم کی  
تواریخی جو پشت ہاپشت سے باپ سے بیٹے کو درستہ چلی آرہی تھی۔  
یہ تواریخی نہیں اور عده ہے اس کا پھر ادشیقی فولاد اور قبضہ سونے  
کا ہے، نیام پر چاندی کا کام ہے۔

ابتداء ہی سے عبد الرحمن باعل، جنگجو اور بہاد تھا۔ باوجود برقا  
کے اس میں اب بھی وہی پہنچے کی سی آن بان تھی لیکن اب اس پر  
ذہبیت کا زنگ بہت غالب آچکا تھا۔ زیادہ تر وقت قرآن اور  
حدیث کے مطالعہ میں صرف کرتا اور اکثر اذکار و اشغال میں مصروف  
رہتا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو ہر وقت نصیحت کرتا اور انہیں مفہیم شور  
دیا کرتا تھا۔ لیکن مہاتم میں ان کی رہبری سے مجبور تھا۔ کیونکہ یہ عمر

جنگ جدائی کے لیے موزوں نہ تھی۔

ابن سعید باب پاحد سے زیادہ احترام کرتا اس کی نصیحتوں کو لگا کر  
ستا اور صورت کے وقت ان پر عمل کرتا تھا،

( ۲ )

ریاض پر اب ابن سعید کی حکومت تھی۔ وہ جاہستان خاکہ بہت جلد  
خود پر اور پھر سارے عرب پر قبضہ کر لے۔ اس مقدمہ کے لیے سب سے  
پہلے اس نے مدافعت کے لیے انتظامات شروع کر دیے اور جب اس امر کا  
امینان ہو گیا کہ فہریں بیرونی ٹھوٹوں کو روکنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے  
تب مدافعت کے سارے انتظامات اس نے اپنے باب او بجا یہاں  
کے ذمہ کر دیے اور خود منتخبہ فوج لے کر سو اونٹ اور چالیس ٹھوڑوں کے  
سامنہ اپنے بھائی سعد کے ہمراہ باہر نکلا۔ سعد ابن سعید کا سب سے  
زیادہ چیتا بھائی تھا، اس کی جسمانی بنادث اور خیالات ابن سعید سے  
ملتے جلتے تھے ان دونوں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ البتہ  
سعد میں قوت فیصلہ اور خوبی کی کمی تھی۔

ریاض کو مرکز قرار دیکر وہ بند کے جنوب میں افغان اور حجاج کے  
ملاقوں میں پہنچا، کہ یہاں سے امداد لے۔ یہاں کے شیوخ قبلہ و اسر  
سے تھے جو اس کی ماں کے رشتہ دار ہوتے تھے، لازماً وہ اس کا ساتھ دیتے۔  
اس کے ملاوہ ابن سعید کی نظر ان لوگوں پر اس لیے بھی پڑی کہ یہ لوگ  
دلیر، بہادر اور رشیدیوں کے جانی وہیں تھے۔ اس کے معتقد کیلئے

یہ لوگ حد درجہ موزوں تھے۔

رشیدیوں کے سپاہی اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ لیکن اس کی گروکوبی نہ پہنچ سکے۔ ابن سعود اب بڑی سہت اور تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اگر کوئی قبیلہ اس کے خلاف سراٹھا تا تو فور اسے وہ کوئی موقع تلاش کر کے ایسے وقت میں ان پر حمل کرتا جب کہ وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں۔ ہمیشہ اسے کامیابی ہوتی تھی، جس سے فوجوں کے دل پر اس کا گھر اثر ہوا اور وہ اس سے ڈرنے لگے۔ ون بدن اس کی بیساکی دی افسانہ بنتی گئی۔ چھ آدمیوں سے ریاض پر قبضہ حاصل کرنا بظاہر افسانہ نہیں تو پھر کہیا ہے؟ عرب کے اطراف و اکناف میں اس کی بیساکی کا چرچا ہونے لگا اور اس کی شخصیت مسلم ہوتی گئی۔ تلوار کی لڑائی تو اس کے نزدیک پچوں کا کھیل تھا۔ فاصلے بھی وہ اسی سرعت کی ساخت کرتا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ہی وقت میں وہ دو مقابلوں پر موجود ہے۔

ابن سعود کے متعلق رشید کا خیال خلط شاہست ہوا وہ اسے ایک مسولی آدمی سمجھتا تھا اور ریاض کے واقعہ کو محض اتفاق پر محول کرتا تھا۔ لیکن جب اس کی بہادری کی مزید نبھریں اس کے کان تک پہنچیں تو وہ چونکہ پڑا اور اس کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ رشید بذات خود بہت بہادر سچا ہی تھا۔ البتہ اس میں حکومت کا مادہ کم تھا۔ بہر حال شمری قبائل کو ساتھ لیکر وہ ریاض کی طرف روانہ ہوا اور جب قریب پہنچا تو

---

اطلاع می کر شہر اس وقت اچھی طرح سے محفوظ و مخصوص رہے اُس کے  
مشیروں نے صلاح دی کہ اطلاع کی باؤیوں پر قبضہ کر کے پافی کی رہ  
بند کر دیجئے لیکن رشید حماصرہ کا موافق نہ تھا وہ فری حملہ کر کے لوگوں  
کے دلوں پر اپنی بہادری کا سکھ جانا چاہتا تھا اور جب اسے یہ معلوم  
ہوا کہ ابن سعو و جنوب کی طرف روانہ ہوا تو اس نے بھی جنوب ہی کا  
رُسخ کیا ۔

ابن سعو و جنوب میں بہت دور نکل چکا تھا ۔ اس اشنا میں وہ  
مختلف قبائل کے شیوخ سے ٹلا۔ ان سے اتحاد و دوستی کی درخواست کی  
بعضوں نے ساختہ دینے کا وعدہ کیا اور اکثر و بیشتر قبائل نے شہری  
جنگجوؤں کے خوف سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن ابن سعو و آہستہ آہستہ  
ان کے دلوں سے خوف دور کرتا گیا اور ان کے جوش کی آگ کو پیرا ہانے  
لگا۔ وہ اب اپنے مقصد کے پیچے ہمہ قبائل کیا، بہت کم سوتا اور  
بہت کم کھاتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت اہل قبائل اور شیوخ سے ملتے، ان سے  
مباحثہ کرنے اور انہیں سمجھانے منانے میں گزارتا تھا۔ یہ بڑا صبر آزما کام تھا۔  
لیکن ابن سعو کا یہ ستمکم ارادہ اور مستقل مزاجی ہی تھی کہ وہ اس سے بیڑا دیں  
آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے عوسمہ کے اندر اس کے پاس ایک ہزار آدمیوں  
کی ایک فوج تیار ہو گئی۔ اب وہ حوطہ میں تھا کہ ایک دن وہ پھر کو قوت  
ایک تیز روسوار نے آ کر اطلاع دی کہ رشید نجحان میں ہے اور  
اللہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے ۔

اب وقت صنائع کرنا غنول تھا، حوطتے الدم۔ میں پر تھا، ابن سعود چاہتا تھا کہ اپنی فوج کے ساتھ مسیح ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ اس کے لیے یہ غیر ممکن تھا، وہ تو اس سے بھی جلد پہنچنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ لیکن اگر یہ سیدھا نجاعان کا رخ کرتا تو ممکن تھا کہ جاسوس لشیدی فوج کو املاع دیتے اس لیے اس نے انہیں مخالفت دیتے کے لیے اعلان کر دیا کہ وہ مغرب کی طرف کوچ کر رہا ہے، اس کے بعد وہ مغرب کی طرف تھوڑی دوڑ گیا اور پھر طویل کی پہاڑیوں سے ہوتا ہوا شمال کی طرف چلا۔

ابن سعود اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نہایت سرعت سے سفر کر رہا تھا راستے میں اسے بڑی دشواری ہوئی۔ سوار اور اونٹ دو نوں بے دم ہو گئے تھے ایک دفعہ تو ابن سعود اونٹ سے گر کر نیچے دب گیا۔ ساتھیوں نے اسے پھر تی سے نکال لیا تاہم کافی صدمہ پہنچا لیکن وہ ایک منٹ بھی صنائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سخت تکلیف میں بستلا ہونے کے باوجود وہ برابرا پنے ساتھیوں کو جوش دلاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا بالآخر دن بھلنے سے بہت پہلے وہ الدم پہنچ گیا۔ اہل الدم پہلے ہی سے اس کے ساتھ ہو چکے تھے اس لیے ان بچانा ابن سعود کا فرض تھا۔ اگر وہ انہیں امداونہ دیتا تو پھر وہ سوں پر سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا۔ بہر حال وہ وقت پہنچ گیا۔ شہر میں داخل ہو کر سب دروازے بند کر لئے فصیل پر آدمی چڑھوئے

اور چو طرف ہرے مقرر کرادیے۔ نجوان کے شمال ہیں کھجروں کے بن میں بھی کچھ آدمی بیج دیے۔ اس کے بعد اس میں سکت نام کو نہ رہی۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ گذشتہ سات روز سے اسے نام کا رام نہیں ملا تھا، وہ اب بالکل بے ودم تھا۔ ساتھیوں نے اسے اٹھا کر ارم سے لٹایا۔ تیل کی لاش کی اور بحاف اٹھا دی۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے وقت جب وہ اٹھا تو اس کا سارا جسم اکڑا ہوا تھا۔ لیکن اب اس میں کسی قدر تازگی آگئی تھی۔

(۱۳)

اسی دن رشید نے اپنی خاص فوج کا ایک دستہ دلام پر چل کر فتح کے لیے روانہ کیا۔ جیسے ہی یہ دستہ کھجروں کے درختوں کے قریب پہنچا ابن سعوہ کے سپاہیوں نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ جچ آدمی اور چار گھوڑے مارے گئے۔ یہ حال دیکھ کر دستہ کے دوسرے سپاہی اور اپنے نوٹے۔ رشید نے اور آدمی روانہ کیے، وہ سمجھ گیا کہ کوئی بُرڈی فوج اس کے مقابل ہے لیکن اس کا صحیح اندازہ اسے نہ ہوا کیونکہ ابن سعوہ نے اپنے سپاہی کھجروں کے درختوں میں منتشر کر دیے تھے۔ اور شہر میں تو کافی آدمی موجود تھے۔

ابن سعو جب دوپہر کے کھانے کے لیے بیٹھا تو اسے نظر ٹک سنائی دیا۔ رشید اپنی فوج کے ساتھ شہر کی طرف آ رہا تھا۔ دستیں پیادہ فوج تھی اور اطراف میں سوار تھے۔ سب کے ہاتھوں میں

---

---

برہمنہ تواریں تھیں اور سب رشیدی جنگ کے سایہ میں جنگ کے نمرے نگاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے ۔

ابن سعو کے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی ۔ وہ امینان سے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہمراہی جنگ کے لیے تھے ہوئے لیکن اس نے انہیں عجلت سے روکا اور جب دشمن کی فوج بہت قریب تھی تو اس نے گلی چلانے کا حکم دیا ۔ فوج کے پاؤں میدان سے اکھر گئے ۔ رشیدیوں نے کبھی بھی ابن سعو کی طرف سے اس قسم کی باقاعدہ اور منظہ ما فعت کی توقع نہیں کی تھی ۔ اتنے میں ابن سعو نعروہ جنگ بلند کرتا ہوا دشمن کی فوج پر جمع پتا ۔ فوجی بھاگنے لگے ۔ ابن سعو نے ان کا تعاقب کیا اور رشید پوری طرح سے شکست کھا کر ریاض کی طرف بھاگ گیا ۔

یہ خبر بھالی کی طرح سارے نجد میں پھیل گئی ۔ بار ایک صدی سعو دی رشیدیوں کے مقابلہ میں اپا ہو رہے تھے ۔ لیکن بالآخر سعو دیوں نے رشیدیوں کو نیچا کھایا ۔ حارج اور افلاج کے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور نجد کے جنوبی علاقہ نے اس کا ساتھ دیا ۔

رشید نے اس جنگ میں شکست تو کھانی گروہ ایسا کم ہمت نہ تھا جو خاموش رہ جاتا ۔ اس کی بلند حوصلگی اور عزت پر یہ ایک بڑا وہی تھا ۔ اس نے سوچا کہ اب تاخیر نقصان دہ ہے ۔ اگر ذری سی بھی خلفت ہوئی تو ابن سعو کی قوت بڑھ جائیگی ۔ اس لیے حائل پہنچتے ہی اس نے ایک نئی فوج جمع کر کے کویت کا رخ کیا ۔ مبارک نے ابن سعو کو

امداد کے لیے طلب کیا امداد و فرما کریت کی طرف رواند ہوا۔ رشید بیوی سبھی چاہتا تھا۔ جیسے ہی اسے اطلاع ملی کہ وہ اس کے مقابلہ کے لیے کوئی کی ہرف نہیں ہے، خود کویت کو چھوڑ کر ریاض کی طرف پہنچانا تاکہ ابن سوہ کی عدم موجودگی میں ریاض پر قبضہ کر لے۔ لیکن یہاں عبدالعزیز ہب طرح سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے پاہری سے رشید بیوی کو چلا دیا۔ جیسے ہی ابن سوہ کو یہ اطلاع ملی کہ رشیدی ریاض کی طرف گئے ہیں تو خود اس نے ریاض کا ریخ نہیں کیا بلکہ مغرب کی ہلaf رواند ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ریاض پر انہیں شکست ہو گی اور جب وہ وہاں سے بھاگیں گے تو علیک اسی ہلaf کو نکل آئیں گے۔ اور ہب اپری۔ ریاض سے رشیدی اسی راستہ توڑے شمری اب بہت تک گئے تھے، بال بچوں کی یاد انہیں بہت تاریخی اور دوسلوں شکستوں نے ان کی ہمہت کو بہت پست کر دیا تھا۔ وہ بکھر گئے اور اپنے مگروں کو جانے لگے۔ اس طرح رشیدی کی فوج کا خاتمه ہو گیا۔

ابن سوہ کے لیے یہ بہت بھرپور تھا۔ اس نے اس سے فائدہ اٹھایا اور رشید بیوی کو بھاگ کر ہلaf و اکناف کے گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ اب بند کے شمال میں ابن سوہ کی ۰۵ میل تک حکومت تھی۔

— ۳۱ —

ان کامیابیوں سے ابن سوہ کی شہرت میں چارچاند لگ گئے۔ ایک بہا در سپاہی کی حیثیت سے اس کا نام سارے عرب میں شہر ہو گیا۔ اور دوسرے دوسرے کے قابل اس سے آکر ملنے لگے۔ وہ اب بند کے تقدیر پر یا

نفس حمد پر قابض تھا۔ اور رشید کے مقابلہ کے لیے اس کے پاس کافی وسائل ہتھیا ہو گئے تھے۔ سن ۱۹۴۶ اور سن ۱۹۴۷ کے ابتدائی زمانہ تک کچھ نہ کچھ ردا فی ہوتی رہی لیکن اس کے بعد تحفظ پڑ گیا جس کی وجہ سے جانہیں نے کچھ دلائل کے لیے سکوت اختیار کیا۔

اب رشید اور ابن سعو کی شخصیتوں کا مقابلہ تھا۔ رشید کے قدم تو پہنچتے ہی سے جھے ہوئے تھے۔ لیکن ابن سعو کے پاس بھی اب کافی وقت جمع ہو گئی تھی۔ لیکن دوں کو بھی کامل اطمینان نصیب نہ تھا کیونکہ قبائل کی حالت کچھ عجیب نالگفتہ بھتی۔ آج ایک کا ساتھ دیا اور مل دوسرا مل کے ہو گئے۔ ایک نے لائق دیا اس کے دوست بن گئے اور پھر کل فدی اے شکست ہوئی، انجان ہو گئے بلکہ موقع ملے تو خود اسی پر حلکہ کر بیٹھے۔ باخنصوص عجائبیوں کی دھایا فطرت ناقابل اعتماد تھی۔ اور جانہیں کو ان کے خدشہ لگا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں کسی کو کیسے اطمینان حاصل ہو سکتا ہے! ہر اب سوال دو شخصیتوں کا تھا اور حالات کا اطمینان بخش ہونا انہی کے فیصلہ پر محصر تھا۔

رشید پتہ قدسیاں فاما و رچھپورا سا آدمی تھا۔ کنجوس اور تریزاج بھی تھا۔ قبائل پر حکومت کرنے کی اس میں بہت کم صلاحیت موجود تھی۔ وہ لوٹ ہو کر کے دولت حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی کامیابی احمدنا کافی کا دار و مدار بالکل اس کی فوج پر تھا۔ اگر فوج میں بدعتی پیدا ہو جائے تو اس کو سنبھالنے سے وہ مجبور تھا۔

برخلاف اس کے ابن سعو و فیاض بدل اور مستقل مزاج انسان تھا۔ اس میں صبر کا کافی مادہ تھا۔ قبائل کو سنبھالنے کی بھی اس میں کافی صبرت موجو تھی۔ وہ ان کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے انہیں بڑے بڑے کاموں کے لیے آگاہ تھا۔ اس میں فیاضی، شجاعت اور راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، یہ خصوصیات عربوں کی پسندیدہ تھیں۔ ابن سعو و گوہابی تھا لیکن وہابیوں کی طرح حشک مزاج نہیں۔ وہ اکشہرتا، بولتا بھی تھا۔ یہ جوان اور نوجہی آدمی تھا، برخلاف اس کے رشید اب پوڑھا ہو چلا تھا۔ ابن سعو، تباہی اور بربادی کے لیے نہیں بلکہ حکومت اور اقتدار کے لیے لڑنا چاہتا تھا اور رعایا کے دلوں کو تکلیف پہنچانا گناہ سمجھتا تھا۔ یہ خصوصیات اس کی زندگی کو کامیاب بنانے میں مفید ثابت ہیں۔

۱۹۰۰ء میں بارش ہوئی اور قحط و دود ہو گیا تو ابن سعو شمال کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے اور شمر کے درمیان قدیم سجد کا مالدار شہر قصیم واقع تھا۔ غنیرو اور بریڈہ اس کے خصوص علاقے تھے ان پر گو رشیدیوں کی حکومت تھی تاہم یہاں کے باشندے ابن سعو کے حامی اور طرفدار تھے۔

ابن سعو بہت جلد قصیم پہنچ گیا۔ یہاں کچھ ایسی زیادہ وقت پیش نہیں آئی، پہلے ہی سے اپل قلعیم اس کے موافق اور رشید کے دشمن ہو چکے تھے۔ اس نے بہت آسانی سے وہاں کے حاکم حسین جزاد کو قتل کر کے غنیرو پر قبضہ کیا اور پھر شہر بریڈہ کا حاصلہ کر لیا۔ رشید نے بریڈہ کی

فوج کی رہائی کے لیے اپنے چھپیرے بھائی عبید کی سر کردگی میں فوج رکھا  
کی۔ ابن سعو نے فوراً اس فوج پر حملہ کر دیا، سخت رہائی کے بعد رشیدوں  
کو شکست ہوئی شمری قبائل نتشہر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے  
اور عبید گرفتار کر لیا گیا۔

جب عبید این سعو کے سامنے لا یا گیا تو وہ اپنے عرب گھوڑے  
پر سوار تھا، پوچھنے لگا۔

”اچھا یہ عبید ابن رشید ہے، لیکن کس نے یہرے چھا مخدوں ریاں  
میں قتل کیا تھا؟“

یہ کہکر ابن سعو گھوڑے پر سے اتر پڑا اور والدکی دی ہوئی تلوہ  
کو میان سے باہر نکال کر تو نہ لگا۔

عبید نے کہا ”اے ابو ترکی، مجھے قتل دکر۔“  
ابن سعو نے جواب دیا ”یہ رحم کا مقام نہیں ہے، میں انصاف  
چاہتا ہوں، قتل کا انتقام۔“

یہ کہکر اس نے عبید پر اپنی تلوار سے تین ہاتھ مارے۔ فوارے کے طرح  
جسم سے خون اٹھنے لگا، عبید کامل باہر نکل آیا اور میں پر گزر کر تڑپنے لگا۔  
ابن سعو نے اپنی تلوار کو جو سہ دیا۔ پہنچنے کو صاف کیا اور اسے  
میان میں رکھ لیا۔

جب بریہ کی فوج کو رہائی کی اب کوئی امید باقی نہ رہی تو اس نے  
ابن سعو کے آگے مرستیم خم کر دیا، شمر تک کا تمام ملا قہابہ ابن سعو کے

---

قبضہ میں آگیا۔ رشید نجد سے باہر نکال دیا گیا اور پھر سے ایک مرتبہ سازا نجد سعو دیوں کے قبضہ میں آگیا۔

اس وزخان کا میانی کے بعد جب وہ ریاض و اپس ہوا تو اکثر کتنے دہائی تک اس سے ملنے اور مبارکباد دینے کے لیے آئے۔ بڑے بڑے گل مذہبی پیشواؤں، حاکموں اور مختلف قبائل کے شیوخ کی خواہش کے مطابق سب لوگ ریاض کی جامع مسجد میں جمع ہوئے اور نظر کی نماز کے بعد عبدالرحمٰن نے ابن سعو د کو

نجد کا امیر اور وہابیوں کا امام

قرار دیا۔

---

# پانچواں باب

## رشید کا انجام

ابن سعوہ کی اس ہتھم باشان کا میا بی نے ذریف عرب کے ریگستان میں ایک تہلکہ چا دیا بلکہ ترک بھی اس سے چونک پڑے وہ عرب کے برائے نام حاکم تھے، ایک قبیلہ کو وسر سے قبیلہ سے لڑانا اور ہمیشہ مکروہ کی تائید کر کے زور وار کی قوت گھٹانی ایک عرصہ سے ان کی کامیاب پالیسی رہی تھی۔ حس وقت رشید زور پکڑ رہا تھا، انہوں نے اس کی سندید ہنالنت کی اور اب وہ ابن سعوہ کے خلاف کادر والی کرنے لگے۔

سلطان عبدالحمید خاں کی خواہش تھی کہ پھر سے دولت عثمانی کا احیاء ہو اور وہ پہلے کی طرح سلطان اعظم اور

خلیفہ بن گر و سطاعب پر حکومت کریں۔ جس من موقع کے منتظر تھے، سلطان کے اس رجحان کو دیکھ کر انہوں نے اپنے مقصد کی تھت انہیں اکسایا، مشرق کی طرف بغداد ریلوے کا پایہ ڈال دیا اور طیج فارس کی طرف اپنے آدمی اور تاجر بسیجنے لگے۔ غرض انگریزوں کو بے دخل کرنے کے لیے وہ گلشنہ تباہیر اختیار کر رہے تھے، ان کے لیے ابن سعود سخت خطرناک تھا، ایک تو خود وہ اپنا ذاتی اثر رکھتا تھا اور دوسرے وہ انگریزوں کے دوست مبارک کا عیت اور طرفدار بھی تھا۔ انہوں نے عبد الحمید خاں کو سمجھایا کہ وہ رشید کو ہمہوار کریں، رشید کی قوت گھٹ رہی تھی، اس نے سلطان کی امداد کو خوشی سے قبول کیا۔ سلطان نے میں اور جہاز میں مزید فوج روانہ کی اور بغداد اور احصار میں اپنی قوت بڑھانی اور دمشق سے جہاز اور پھر مدینہ تک ریل کی پٹری ڈالنے کا حکم دیدیا۔

ابن سعود نے اس موقع پر بھی مداخلت نہیں کی بلکہ خاموش حالات کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس اثناء میں ابن سعود کو شکست دینے کے لیے ترکوں نے اور فوج بھی رشید نے ۱۹۱۴ء میں گرمی کے ابتدائی زمانہ میں ترکی فوج کے ساتھ بندگا رکھ کیا، عنیزہ اور بریدہ والوں کو دیکھیاں دیں اور انہیں ابن سعود کی خالفت کے لیے محبوک کیا۔ ابن سعود بھی اپنے آدمی جمع کر کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا اور شجاعیہ میں ڈیرہ ڈال دیا۔ رشید کے پاس فوج اور دولت کی کمی نہ تھی۔

---

ایں سعو و مقابلہ مغلس و نادار تھا حتیٰ کہ اس کے پاس کھانے پینے کا انتظام تک نہ تھا۔ چنانچہ سجاریہ میں اس رات فوج نے علاً فاقہ کیا۔ اس کے ساتھی پہت ہمت ہو گئے لیکن ابن سعو نے انہیں دم دلاسا دیا اور کامرانی کا دل خوش کن خواب دھکا کر انہیں جنگ کے لیے آمادہ کر لیا۔

شام کے وقت ابن سعو کے سامنے سے کچھ دھواں اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دشمن کی فوج کا گمان ہوا اور اب وہ مانعہ کیلئے تیار ہونے کو تھا کہ جاسوسوں نے اگر اطلاع دی کہ یہ دشمن کی فوج نہیں ہے بلکہ چند ملازم تر کی فوج کے لیے بکرے چڑا کر لیجا رہے ہیں۔ پس ان سعو نے فوراً ان کا تعاقب کیا اور ان پر حملہ کر کے ان آدمیوں سے بکرے چھین لیے۔ یہ دیکھ کر رشیدی ابن سعو کی طرف بڑھے، دونوں کا زور دار مقابلہ ہوا۔ لیکن اتنے میں رات ہو گئی جس کی باعث دونوں نوجیں اپنے اپنے خیموں کو واپس جلائیں۔ آج رات ابن سعو کے دیرے میں جشن تھا۔ ایک دن کے فاقہ کے بعد غذا اور پھر گوشت جیسی "سید الطعام" غذا نعمت بالا نے نعمت تھی! دوسرے دن صبح ہونے سے قبل ہی ابن سعو نے رشیدوں پر حملہ کر دیا، شمری فوج پسپا ہو کر پیچھے رہنے لگی۔ لیکن تر کی فوج وسط میں ستون کی طرح کھڑی ہوئی شمری قبائل کی ہمت افزائی کر رہی تھی لیکن با وجود اس کے ابن سعو کے حلقے مسلسل کامیاب

رسہئے، یہ حال دیکھ کر ترکی فوج نے دن ڈھلنے کے بعد گولہ باری شروع کر دی۔ عربوں نے ایسا دہشت انگیز منظر پیسے کبھی نہیں دیکھا تھا، ان کے اوس ان خطا ہو گئے اور وہ بدھواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ابن سعود یہ رنگ دیکھ کر خود گلوسوں کی بوجھار کے سامنے آگیا۔ اور پر جوش الفاظ میں اپنے ساتھیوں کی ہمت پندھانے لگا۔ ایک گولہ بالکل اس کے بازو سے گزرا گیا۔ ایک ملکڑا اس کی انگلی کو لگا اور آدھی انگلی بالکل غائب ہو گئی اور ایک ملکڑا اس کے گھٹنے کو لگا جس سے بڑی طرح وہ زخمی ہوا اور جسم سے خون سلسیل بننے لگا۔ ابن سعود نے اس درد کی درا بھی پرواہ نہیں کی اور اسی جوش میں نعرہ لگا لگا کر اپنے لوگوں کو جمع کرنے لگا۔ اور جب سب لوگ جمع ہو گئے تو واپس لوٹ گیا۔ اس اشناہ میں رشید کے ایک میزار آدمی مارے گئے، ترک چاہتے تو قصیم اور سجد کے شمالي علاقہ پر قبضہ کر لیتے لیکن وصوب اس شدت کی تھی کہ وہ اس کی تاب نہ لاسکے اور ابن سعود کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے خیوں کو سدھا رے۔

این سعود کا جسم زخمی سے چورتا، دوسرا کوئی ہوتا تو ہفتول بستر سے اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ مگر آفریں ابن سعود پر کہ انتہائی درد و مکلف کے باوجود سب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہنس رہا تھا، درد کا نام کو بھی احساس نہ تھا۔ بلکہ کچھ آرام لینے کی بجائے اس نے اپنا کام شروع کر دیا میسر، عتیقه، دوسر اور اس سے بھی آگے عنزو و قبائل کے پاس

اس نے قاصد بیجے۔ شیوخ کو رام کرنا آسان کام نہ تھا۔ وہ اس طرح آسانی سے راضی ہونے والے نہ تھے۔ بہر حال ابن سعود نے انہیں سمجھایا کہ ترک رشیدیوں کو امداد کے رہے ہیں، جو من ان کی پیش تھیں، میں اہم اگر رشیدیوں کو فتح ہو گئی تو سمجھو کر عرب کی آزادی کا خاتمہ ہے۔ بہر حال تھوڑی بہت قوت جمع کر کے ابن سعود نے رشیدیوں پر حملہ کر دیا۔ ترکی فوج ان کو بجا تی رہی۔ سعودی بار بار حملہ کر رہے تھے لیکن کچھ دیر بعد قبائل مطیر نے جواب دیدیا۔ ابن سعود نے سوچا کہ اگر اب کی دفعہ شکست ہوئی تو بس خاتمہ ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ اپنے محافظہ دستے اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ اپنی ہیں نوری کے نام کا نفرہ لگاتا ہوا ترکی فوج کی طرف پکا اور اس نور کا حمل کیا کہ ترکی فوج کے پیغمبر میدان سے اکٹھ گئے۔ یہ حال دیکھ کر شریوں کے دل بھی چھوٹ گئے لیکن ترک پھر سے ایک جگہ جمع ہو گئے گر این سعود کے آدمیوں نے چوڑف سے انہیں گھیر لیا۔ اب ترکی فوج دہشت ہی متشربہو کر بجا گئے تھی۔ ان کے پیغمبر اکٹھا رہنے لگے، اکثر تر آتے ہی میں گئے۔ بدھی عورتوں نے متعدد ترکی سپاہیوں کے سر ٹاتا لے ان کا ملٹی اس باب لوٹ لیا۔ اور جو نجع رہے وہ افغان و خیزان بصدہ بہر اشکل بصرہ پہنچے۔

۲۱

اس شکست سے ترکوں کے وقار کو سخت دھکا پہنچا۔ وہ بھی

---

خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ بدله لینا ان کے لیے ناگزیر تھا۔ انہوں نے دریائے فرات کے کنارے ایک زبردست فوج جمع کر لی تاکہ ابن سعود کی فوج پر حملہ کر کے اس کا قلعہ قبض کر دے۔

سودی ترکوں کی شاندار پیاسی اور اپنی درختان کا میاپی پر پھولوں نہیں سمار ہے تھے۔ وہابی ملا اور ابن سعود کے مشیر خوشی کے مارے آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے۔ ترکی فوج کو شکست دینا واقعی ایک یادگار کارنا مہ تھا! یہیں ابن سعود پر اس نستخ کا پچھبھی اثر نہ ہوا۔ وہ حالات کا سرسری نہیں بلکہ گھری نظر سے مطابعہ کرتا تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ فتح، حقیقی معنی میں فتح نہیں ہے۔ کیونکہ ترکوں کی ایک تھوڑی سی فوج کو شکست دینے سے کیا حاصل؟ اگر ترک اپنی زبردست فوج بھیج دیں تو کیا مقابلہ کیا جاسکیگا؟ اب وہ مدافعت کی تدبیریں کرنے لگا اسے صلح ہی میں خیر نظر آئی۔ مساکن کے ذریعہ اس نے بصرہ کے گورنر مخلص پاشا کے پاس صاحبت کی تجویز پیش کی، عبدالرحمن نے اس کی طرف سے نمائندگی کی اور یہ طے پایا کہ ترک ابن سعود کو سجد کا حاکم تصور کریں گے اور شہر قصیم پر بھی اس کا قبضہ رہیں گا البتہ عینہ اور بریڈہ میں تھوڑی سی ترک فوج رہیں گی۔ اس تصنیفیہ کے باعث ابن سعود کو ترکوں کے زبردست حملہ نجات ملی۔ معاہدہ کے مطابق ترکی فوج عینہ اور بریڈہ میں آئی۔ یہاں فوجیوں کو بڑی حخت تکلیف ہوئی۔ ایک تو گرمی دوسرے

اجنبی اور غیر مانوس ماحل اور سب سے بڑا کریا کہ ابن سعو نے ان کو کچھ بھی امداد نہ دی۔ اس کے علاوہ بصرہ سے جو کچھ بھی سامان ان کے لیے آتا وہ راستہ ہی میں کسی نہ کسی طرح سے دوست لیا جاتا تھا۔ اس طرح ترکی فوج ایک بڑی مشکل میں پر گئی۔ ”ذپائے رفتہ نہ جائے ماذن۔“ اگر وہ ذرا بھی گڑ پڑ کر تے تو عرب ان کی اچھی طرح سے بھر لے یتے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر ترکی فوج کی حالت بڑی خرابی خستہ ہو گئی۔ کھانے کو کھانا نہیں رہا۔ اکثر و فجہ تو ان قسمت کے ماروں نے کھجور کی گلیلیاں کھا کر اپنے پیٹ کی اگ بھائی اور اکثر وہ نے مجبور ہو کر اپنے آلات حرب سنتے داموں فروخت کر دیے۔ شہر قسم کے لوگ ان کے حق میں بڑے بے رحم اور سخت دل ثابت ہوئے۔ اس لیے انہوں نے اس کا نام ”بنت الشیطان“ رکھا۔

یہ حالت دیکھ کر ترکی حکومت نے ابن سعو پر وبا و دالا اور ہ سے امداد کے لیے کہا۔ اس نے بھی انہیں میٹھا سا جواب دیا لیکن امداد نہ دی۔ اس پر ترک بہت بگڑتے۔ ابن سعو نے امداد کے معاوضہ میں ان سے سونا طلب کیا کیونکہ قبائل کو ہموار کرنے کے لیے اسے روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ ترکوں نے اس سے انکار کر دیا جس ق ابن سعو بھی انخیان ہو گیا۔ فی الوقت ترکوں کا اسے ذرا بھی ڈر د تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ترک اس وقت بڑی مشکل میں پھنسنے ہوئے ہیں جماز اور زین میں سلسل بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ شام میں انقلابی جلسے

ہو رہے تھے کہ ترکوں کو عرب سے مکال کر عرب حکومت قائم کی جائے۔  
بغداد، مصر، ترک اور خلیل میں ہڑپونگ بچی ہوئی تھی اور ترک ان  
مخالفتوں کو روکنے میں سرگرد اس و پریشان تھے۔ ابن سعید چاہتا تھا کہ  
اپسے موقع پر اگر ترکی فوج پر حملہ کر کے اسے نکال باہر کر دیا جائے تو عرب  
قبائل میں اس کا وقار بڑھ جائیگا۔ لیکن اپنی وہ اپنے خیال کو علی جسامہ  
پہنچنے کے لیے مناسب موقع کا منتظر تھا کہ خود ترکوں نے اپنی نوبیں  
و اپس بلایں اور اسے میں صرف چند فوجی دستے چھوڑ دیے۔ اس  
کے بعد انہوں نے پھر کبھی وسط عرب کا رخ نہیں کیا۔

(۳۳)

ترک واقعی ابن سعید کے رستے کے روڑے تھے۔ ان کے  
چلے جانے کے بعد وہ بہت شیر ہو گیا۔ عربوں نے یہ سمجھا کہ ترک  
ابن سعید سے ڈر کر بھاگ گئے۔ اب کیا تھا قبائل اور شیوخ اس کے  
ساتھ تھے اور ہر ایک اتحاد و دوستی کا دم بھر رہا تھا! لیکن  
ابن سعید نے دُور اندر شیخ کے دامن کر رکھا تھا سے نجھوڑا۔ اسے اچھی  
طرح سے حلوم تھا کہ جب تک رشید زادہ ہے، وہ کبھی چین سے بیٹھ  
نہیں سکتا۔ عرب کی حالت ڈری عجیب تھی۔ ڈری سی چوک بھی تختہ  
آلٹ دینے کے لیے کافی تھی۔ بیرونی حملوں کے ساتھ ساتھ ابن  
کو خود اپنے والوں پر بھی اعتماد نہ تھا۔ اگر اس سے ڈری بھی بغرض  
ہو جاتی تو خود اس کے ساتھی اس کو مت کر گھاٹ آتا نہیں۔

ذمی بھی تاخیر نہ کرتے۔ اسی بیے وہ ہر معاملہ میں حدود جمعت اٹھاتا تھا۔  
 حافظہ دستہ اس کے خیمہ کی خاکہ تھت کرتا تھا۔ راتوں کو وہ بیت کم سوتا  
 تھا۔ جنگ اور سفر میں اس نے کبھی بھی اپنے ساتھ پنگ نہیں رکھا بلکہ  
 ریت پر کپڑا بچھا کر سو رہتا تھا۔ ہمیشہ اس کے بازو بزمیہ تلوار رہتی تھی۔  
 اور بعض دفعہ تو وہ تلوار پر سرپیک کر کھڑا کھڑا سو جاتا تھا اور جب  
 جا گتا تو ایک پل میں پیٹرا کاٹ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس کے  
 خیمہ میں کسی کو بلا اجازت داخلہ کی مانافت نہیں۔ ایک دفعہ اس کا  
 ملازم بلا طلاق اندرونیل ہو گیا۔ این سعو دسو رہتا تھا۔ آہٹ پاک  
 وہ اٹھ بیٹھا اور ابھی ملازم کی زیان سے ایک نظم بھی برابر نہ کھلا تھا  
 کہ اس کا ہاتھ شانہ سے جدا ہو گیا۔ این سعو د کا گھوڑا ابھی ہمیشہ خیمہ  
 کے بازو بندھا رہتا تھا۔ الارم کے ساتھ وہ خیمہ کے باہر آتا اور جا  
 گھوڑے پر زین ہو یا نہ ہو، بزمیہ تلوار رہتہ میں لے کر اس پر سوار ہو جاتا۔ اس  
 معاملہ میں وہ بھلی سے کسی طرح کم نہ تھا۔

اس طرزِ زندگی نے این سعو د کو ایک قوی ہرکیل انسان بنادیا اور اس کے  
 ارادوں میں استقامت پیدا کر دی۔ یکلیف برداشت کرنی تو اس کے پاس  
 کوئی چیز نہ تھی وہ خیمہ کے دروازہ پر بیکھر گھنٹوں ایل قبل سے ملتا  
 ان کے چکڑے چکاتا۔ جا سووں کی لالی ہوئی خبروں پر غور کرتا،  
 انہیں ضروری ہاتھیں دیتا اور تمام دن اور بڑی رات گئے تک  
 مسلسل کام کرتا تھا۔ ان دینیوں کا مولی کے باوجود اس نے اکان مذہبی

کبھی غفلت نہیں کی۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا، سخنی کے ساتھ روزے رکھتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔

رشید بھی ارادہ کا پختا تھا۔ اس نے بہت نہیں ہاری۔ ملکہ اپنے لوگوں کو جمع کر کے ابن سعود پر حل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ مگر اس فوج وہ بہت کچھ تھکا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھیوں کے حصے بھی بہت پست ہو چکے تھے۔ الغرض ان لوگوں نے موبہنہ گاؤں میں قیام کیا اور ہمیں سے سور ہے، کیونکہ ابن سعود ان سے زیادہ فاصلہ پر تھا اور انہیں کسی حملہ کی توقع نہ تھی۔ لیکن ابن سعود کے مخبروں نے رشید کی آمد کی طلائع دیدی اور وہ اپنی فوج نے کبریق رفتاری کے ساتھ موہنہ کی طرف روانہ ہوا اور صبح ہونے سے پیشتر ہی رشیدی فوج پر حل کر دیا۔ تھکی ماندی فوج وحشت سے اٹھی اور سپاہی تتر بتر ہو گرا دھر بھاگنے لگے۔ ابن سعود کے آدنی انتہائی جوش میں وشمنوں پر حل کر رہے تھے۔ اس دہشت آفری مظہر میں رشید ہر اس انہیں ہوا بلکہ نرہ جنگ بلند کرتا ہوا وہ اپنے ساتھیوں کی بہت بڑھا رہا تھا۔ لیکن اس کی یہ جان توڑ کو شش کچھ بار آور نہیں میٹی اور تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ ایک گولی کا نشانہ بن کر زمین پر آ رہا۔ ابن سعود نے اس کا سرکاث کر نیڑہ پر چڑھا تام گاؤں میں پھردا یا تاک عوام کو رشید کی بوت کا عین المیعنی ہو جائے۔ رشید کے قتل کی طلائع آگ کی طرح عرب کی اطراف داکناف میں بیل گئی اور جب شکر اور حائل میں یہ خبر

پسپتی تو روشنید کے درثنا، اقتدار کے لیے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے  
ہو گئے اور خانہ جنگلیوں کا بازار گرم ہو گیا اس کے ساتھ قبائل بھی  
کسی نہ کسی کی طرفداری بگر کے ایک دوسرے سے اچھے پڑے اور حائل کے  
عرض و طول میں خاصی نظمی بھیل گئی ۔

یہ صورت حال ابن سعید کے لیے امید افزائی !

# پچھٹا باب

## سُعُودی فتوحات اور الاحوال کی تشكیل

ابن سعو دی کی عمر اس وقت تا میں سال کی تھی۔ اس کی بیاد دی اور کام رافی کے ڈنکے سارے عرب میں رج رہے تھے۔ ترکوں کو بھال ہر کرنا، رشید کا خاتمہ کر دینا، اپنی ذاتی کوشش و قوت سے بند کی سر زمین پر قبضہ کر لینا، ایسے کارنامے تھے جن سے ابن سعو دی کی شخصیت سارے عرب میں مسلم ہو گئی۔ نہ صرف یہی بلکہ یہ کارنامے عرب کی تاریخ میں ذریں حروف سے لکھے جائیں گے اور رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔

اس عظیم الشان کامیابی کے باوجود ابن سعو کو سکون قلب حاصل نہ تھا وہ ہمیشہ داخلی اور خارجی معاملات میں الجھا ہوا رہتا تھا۔

عرب کے باشندے بلashib اُسے بہادر اور مستقل مزاج مانتے تھے تاہم ایک نئے شخص کی حکومت تسلیم کرنے کے لیے وہ بھی تیار رہ تھے ہر قبیلہ بذاتِ خود خود مختار اور آزادی کا طالب تھا۔ رشید کی موت سے وہ اس لیے خوش نہیں ہوئے کہ ابن سعید ان کا حاکم بنے گا بلکہ وہ اس بات پر شاداں تھے کہ اب ان کی وفات اور کے دشندوں کو کوئی رونکے نہیں رہا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ابن سعید کی طرح سختی نہیں کر سکتا۔ وہ اس سے کچھ ایسے زیادہ ڈرتے بھی نہ تھے۔ لیکن ابن سعید اس قدر منصفت مزاج اور زور دار آدمی تھا کہ اس نے فوراً حکم دیدیا کہ کوئی شخص بغیر اس کی اجازت کے کسی پر حملہ کرنے یا لوٹنے کا مجاز نہیں۔ اس حکم نے قبائل کو بے چین اور باغی بنادیا۔ یہ تو اہل قبائل کا حال تھا، خود ریاض کے علماء بھی ابن سعید سے بذلن ہو گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابن سعید پھا نہ سی آدمی تھا، نماز پڑھتا، روزے رکھتا، اور تمام اسلامی احکامات کی سختی سے پابندی کرتا اور کردا تھا۔ آوارگی اور تعیش سے وہ کو سوں دُور تھا۔ اس حد تک تو کسی کی بھل نہ تھی کہ اس کی ذریعی فلکی پکڑ لے۔ اللہ تھے وہابی عقائد کے خلاف وہ ہمیشہ خوش و خرم رہتا تھا، فوجیوں کو کوچ کے وقت اس نے گلنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ غیرہ کے باشندے تسبیح استعمال کرتے تھے اس نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ مبارک کا اچھا دوست تھا، غیر مالک کے لوگوں سے خندہ جیتی

ہتا اور ان کی خاطر تو افسوس کرتا تھا۔ یہ باتیں وہابی ملاؤں کو سخت  
نگاہ اگر گزرتی تھیں۔ انہوں نے اسلام کو رہیا نیت بنایا تھا۔ اسی  
باعث اس ملاؤں نے ابن سعید پر اعتراضات کی بوجھا کر دی اور  
اسے تسلیم کیا کہ اگر یہی حال رہیگا تو یہ قبائل کو اس کے خلاف  
اکٹا دیں گے۔ ابن سعید ان کی تلخ باتوں سے بے حد خفته میں آیا  
لیکن موقع شناسی سے کام لیکر اس موقع پر انجان ہو جانا ہی منکب  
سمجھا۔

یہ تو خانگی ہجڑے تھے۔ لیکن بیرونی حالات بھی اس کے کچھ  
ایسے موافق تھے۔ مبارک اور ابن سعید میں بدگمانی پیدا  
ہو گئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ جب ابن سعید مغلس تھا مبارک نے اس کے  
مودوں کی وجہ سے۔ اب ابن سعید کا اثر اور اس کی حیثیت مبارک سے  
کہیں زیادہ ہو گئی تھی لیکن اب بھی مبارک پہنچے کی طرح ابن سعید کو مدد اور  
دیتا اور بلا بیون و چراکی پابندی کروانا چاہتا تھا۔ ابن سعید کو یہ بتاؤ نہ کرو  
گذر اور مبارک بھی اس کی ترقی کو دیکھ کر جلنے لگا۔ اس طرح دونوں کے  
دل ایک دوسرے سے صاف نہ تھے۔ مبارک نے اپنے اثر کو بڑھانے  
کے لیے ترکوں سے مل کر ایک معاہدہ کر لیا اور ترکوں نے اپنے مقصد  
کی تھت اس سے دوستی کا عہد کر کے اسے ادا بھی دی۔ لیکن ان سب  
باتوں کے باوجود ابن سعید اور مبارک میں کھلی مخالفت نہیں ہوئی بلکہ  
دونوں ایک دوسرے کو اب بھی اپنا دوست جنماتے رہے۔ مگر

مبارک نے اس کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ کویت اور بند کے درمیان قبائل مطیر آباد تھے؛ یہ لوگ بڑے باغی اور بغلہت تھے۔ وہ کسی کی حکومت نہیں چاہتے بلکہ بالکل آزاد رہنے کے خواہاں تھے۔ لیکن ابن سعو اپنی حکومت کا سکہ بٹھانے کے لیے ان پر دباؤ دال رہا تھا جس سے وہ دلوں میں ابن سعو کے خلاف ہو گئے۔ مبارک ان کے شیخ فیصل الدویش سے مل گیا، اور رشیدی خاندان کو صلح دی کہ وہ اپنے خانگی جھگڑے ختم کر کے مطیر کے ساتھ مل جائیں۔ اس کے بعد اس نے بریدہ کے عالی کو ابن سعو کے خلاف فرغلا یا۔ اور یہ سب کارروائیاں اس نے ہیستہ ہی راز میں لیکن ابن سعو نے بھی ہر طرف اپنے آدمی لگا کر کھے تھے۔ وہ ان تمام واقعات سے اچھی طرح واقعہ اور مخالفتوں کا جا ب دینے کے لیے تیار تھا۔

بریدہ کے حاکم نے ابن سعو کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ ابن سعو پہلے ہی سے تیار تھا، بلکہ کسی شمشنگ کے میدان میں اُتر پڑا۔ درمیان میں شہری فوج تھی دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اثناء جنگ میں ابن سعو کا گھوڑا چھسل کر گر گیا جس سے ابن سعو کی ہنسی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ لیکن اس کے باوجود شام تک وہ برابر دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ فتح کسی کو بھی نہیں ہوئی۔ اور دونوں نوجیں اپنے اپنے خیموں کو واپس ہو گئیں۔ رات بھر این ہمودو درد کی تکلیفت سے کراہتا رہا۔ لیکن اس حادثے سے اس نے ہمستہ نہیں ہاری۔ البتہ اس کے

سامنے کچھ پت سے ہو گئے۔ لیکن دوسرے دن انتہائی درد اور تکلیف کے باوجود وہ جنگ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور دوپھر سے پیشتر ہی دشمن کو شکست دیدی۔

اس کے بعد ابن سعود بیرون پہنچ کر وہاں ایک ہنگامہ بیپا کر دیا۔ لوث شروع کی۔ کاؤں جلا دیے، فتح الدویش کو بھگا دیا اور اہل مطیر کو اپنے کیے کی خوب سزا دی۔ پھر وہ بریدہ کے عامل کو سزا دینے کے لیے بریدہ پہنچا۔ شہر کے دروازے بند تھے اور محاصرہ کی مدافعت کا معمول نظم تھا۔ ابن سعود نے پہلے ہی سے اپنے چند آدمی شہر کے اندر روانہ کر دئے تھے۔ جب سب لوگ صبح کی نماز کے لیے مسجد کو گئے تو ان لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور ابن سعود اندر داخل ہو گیا۔ بریدہ کے عامل نے ابن سعود کے آگے اپنا سر جھکا دیا۔ اسے یقین تھا کہ ابن سعود پیغیر قتل کیے ہیں رہیگا۔ لیکن ابن سعود نے حقارت سے اسکی طرف دیکھ کر اس کے خاندان والوں کو بلا کر سب کو ایک ساتھ سجد کے باہر ہو جانے کا حکم دیدیا۔

بریدہ بڑا حظر ناگ شہر تھا، اس کی فضیل نہایت مستحکم تھی۔ یہاں کے لوگ مالدار اور باغی طبیعت کے تھے۔ تجارتی مرکز ہونے کے باعث اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی اور اس بھانٹے سے یہ سجد کی کنجی تھی۔ یہاں حکومت کرنے کے لیے ایک اچھے آدمی کی ضرورت تھی۔ ابن سعود کی نظر انتخاب اپنے چھیرے بھانی جلوی پر ٹری۔

جوی ابن سعود کا نہ صرف رشتہ دار بلکہ بہت ہی گہرا دوست بھی تھا۔ ریاض کی فتح کے وقت وہ اس کے ہمراہ تھا۔ اس کی بہادری، مستقل مزاجی اور فومن شناسی کا سکھ عربوں کے دل پر اچھی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اے شبیط کا بڑا خیال تھا، اور قانون کی پابندی میں وہ اپنے پڑے کسی کا لیٹا نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ بریوہ کے عامل کی شیخیت سے اس نے اپنے فرائض اس عدگی سے انجام دیئے کہ شہانی خجہ کے باشندے لوٹ مار اور فساد کا نام تک بھول گئے۔

(۲۱)

بریوہ کے انتظامات مکمل کرنے کے بعد ابن سعود ریاض پہنچا۔ یہاں آنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ گزشتہ سال "اجمن اتحاد و ترقی" کے باعثی نوجوان جعفر بن نے سلطان عبد الحمید خاں کو مغزول کر دیا تھا اب مغزول سلطان کی طرح اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے آرزوں نے تھے اور اس سلسلہ میں چاہتے تھے کہ عرب کے مالدار شہروں ججاز، مکہ، مدینہ، عسیر پر قبضہ جائیں۔

اس مقصد کی تھت انہوں نے بہت جلد و شق سے مدینہ تک ریل کی پشتوی ڈالنے کا ارادہ کیا تاکہ سپاہیوں اور زاریوں کو لانے لیجائے میں ہشولت ہو۔ انہوں نے حسین بن علی کو کہ کاشریت اور حجاز کا گورنر مقرر کیا۔ یہ شخص کئی امتیازی خصوصیات کا مالک تھا۔ اس نے کئی ملکی خدمات انجام دیے تھے اور عرصہ تک سلطنت کا مشیر بھی رہا تھا۔ خاتمی وجہت ہے تھا۔

اپنی تھی، عمر چاپس سے اونچی، داری چھوٹی گر خوبصورت، بات ہمایت ہستہ  
کرتا اور دوڑان گفتگو میں خاص خاص جملے اور حماور سے استعمال کرتا تھا  
تاکہ سامیں پر رعب پڑ سکے جیسے کا تعلق خاندان بنی ہاشم سے تھا۔  
اسی لیے ترکوں نے جہاز کی گورنری کے لیے اسے بھیجا، اور انہیں اس پر  
کافی اعتماد بھی تھا۔

نجد اور جہاز کے درمیان ایک وسیع میدان نے جہاں قبیلہ عتبیہ  
کے لوگ اپنے اونٹ اور بکریاں چڑایا کرتے تھے، یہ میدان ایک جیشیت سے  
خاص اہمیت رکھتا تھا کیونکہ نجد سے جو قافلے جہاز و مکہ کی طرف جاتے انہیں  
اسی میدان سے ہو گرگزنا پڑتا تھا۔ اس طرح سے پہنچا جہاز کی کنجی تھی۔  
حسین سے اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا تھا اور ابن سعود کی خواہش تھی  
کہ وہ کسی طرح ماتھے جانے نہ پائے۔ اس پر حسین اور ابن سعود دونوں  
میں تنگی۔ ابن سعود قبائل عتبیہ سے ٹیکس طلب کرتا تھا اور حسین اے  
اپنا علاقہ جتلتا تھا۔ ابن سعود نے مشرق کی طرف سے عتبیہ پہنچ کر وہاں  
کے باشندوں سے اپنی اطاعت منوالی، حسین نے ابن سعود کی تنبیہ اور  
اس کو وہاں سے بے دخل کرنے کے لیے اپنے راکے عبد اللہ کو مغرب کی  
طرف سے بھیجا۔ ابن سعود نے بھی اپنے بھانی سعد کو روانہ کیا لیسکن  
سعد گرفتار کر لیا گیا۔

ابن سعود کو اس بات پر غصہ آیا اور وہ حسین پر حملہ کرنے کی تیاری  
کرنے لگا۔ لیکن اس اشنا میں اس پر ایک صیبت یہ آن پڑی کہ ابن سعود کے

چھیرے بھائیوں نے عجمانیوں کو اجھار کر اس کے خلاف آمادہ کیسا اور  
اہل ریاض کو دھکی دی۔ شہریانی کے باشندوں نے بھی ابن سعوہ کے غافلین کا  
ساتھ دیا۔

ابن سعوہ بڑی شکل میں پڑ گیا۔ اگر وہ حسین پر حملہ کرنیشے اور وہ چھپے سے  
عجمانی اس پر ٹوٹ پڑیں تو وہ ان دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔  
اس یہ موقع کی مزاجت کو سمجھ کر اس نے حسین سے فوراً صلح کر لی اور  
کچھ تاوان ادا کر کے سعد کو واپس بلا لیا اور اس کے بعد تیزی سے ریاض  
پہنچا۔ اس وقت تک اس کے چھیرے بھائی ریاض کے قریب پہنچ چکے  
تھے۔ ابن سعوہ نے ان پر بڑے زور سے حملہ کر کے انہیں پس پا کر دیا۔  
اور عجمانیوں کو احصار تک ہٹا دیا۔ بعض بھائیوں نے احصار کا حجی کیا  
اور چند لوگوں نے تکے جا کر حسین کے پاس پناہی۔  
تجد کے شمال میں رہنے والوں کے نیے یہ شکست ایک طرح کا  
بنت تھی، ابن سعوہ چاہتا تھا کہ جنوب کے باشندوں کو بھی اسی طرح کا  
ایک سبق دے کیونکہ یہ لوگ بھی اہل مطیر کی طرح اس کے اتحاد تھے  
لیکن اب باغی بن گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اس طرف  
اپنے لوگ روانہ کیے جنہوں نے بے رحمی کے ساتھ لوت مدد شروع  
کر دی اور قصوبوں اور گاؤں کو آگ لگانے لگے۔ ابن سعوہ نے خود  
شہریانی کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر اہل شہر کو بڑی طرح شکست دی۔  
شہر کے دروازے کے سامنے ایک بڑا چوبڑا بنوا�ا اور صلح کو

خود اس چھپتہ پر شکن ہوا۔ اس کے سامنے شہریوں، دیہاتیوں اور نزویک دوسرے بے دیوں کا ایک جم غیر تھا، وہابی جنگجوں سب انتظام کر رہے تھے اور اس کا محافظہ دستہ ہم کا ب تھا۔ ابن سعید اس وقت ہربات کا حاکم اور مقتدر تھا۔ وہ تمام احکامات خود صادر کر رہا تھا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے شہر کے انیں سرخنوں کو بلایا، وہ آئے اور چھپتہ کے سامنے سب کے سب سرخگوں کھڑے ہو گئے۔

تب ابن سعید نے کہا

”خدا سے پڑھکر دنیا میں کوئی ہستی اور العزم نہیں ہے۔“  
یہ کیکر اس کے ساتھ ہی ایک اشارہ کیا اور ایک جیشی غلام بہشیہ تلوار لیکر پہنچا اور یہے بعد دیگر سے ان سرخنوں کو قتل کرتا گیا۔  
جب اشارہ آدمی ختم ہو چکے تو این سعید نے انیسویں کو معاف کر دیا اور کہا۔

”جا اور حاکر لوگوں سے وہ سب کچھ کہدے جو تو نے دیکھا ہے۔“  
ابن قصہ کے ختم ہونے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جم کو مخاطب کر کے گرجتی ہوئی آواز میں تقریر کرنے لگا۔ اور بغاوت کے تجھ پر روشنی ڈالی۔ لوگ اس کی تقریر سکر مہوت تھے۔ جم پر ایک سوکت کا عالم طاری تھا، ابن سعید کی گرجتی ہوئی آواز دسمی پڑنے لگی، اس نے عوام کو اپنے نزویک بلا یا امد بھت کے لجه میں آہستہ آہستہ بولنے لگا آخر میں اس نے کہا۔

”اب تم کسی موزوں آدمی کو اپنا حاکم تقرر کر دو اور یاد رکھو کہ جب تک تم اس کے اطاعت گزار ہو گے اس نصیب ہو گا یا تھام دن ان اٹھارہ آدمیوں کی لاشیں کھلے میدان میں جلتی ہوئی ریت پر پڑی رہیں کہ باغی لوگ اس نظارہ سے کچھ غیرت و عبرت حاصل کر سکیں، شام کے وقت ان لاشوں کو سپرد خاک کیا گیا۔

یہیں کا یہ واقعہ بھر کتی ہوئی آگ کی طرح ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ تک پیزی کے ساتھ پیچ گیا۔ اب پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ وہ کبھی توقع نہیں کرتے تھے کہ اس مورثیں بھی ہیں ایسا انصاف ہو سکتا ہے! ابن سعود کا یہ فعل انصاف کا ایک بہتر کارنامہ تھا۔ عربوں کی نظریں اس کی وقت بڑھ گئی اور وہ سمجھنے لگے یہی ایک ایسا ہی ادارہ منصف مراج اور جنگجو ہے جو ہم پر حکومت کر سکتا ہے۔

( ۳ )

اس واقعہ سے نجد کے اس گوشہ سے لیکر اس گوشہ تک ابن سعود کی دعاک بیٹھ گئی۔ اندر وہی بغاوت دوڑ ہو چکی، رشید یوں کا خاتمہ ہو گیا، ترک بے دخل کیے گئے اور بنی شمر کا ٹوٹی مرواڑن تھا۔ اس طرح اندر وہی معاملات بہت بڑی حد تک سلجمہ چکے تھے البتہ ابن سعود کے لیے ابھی بد یوں کو پیسچ دینا باقی تھا کہ لوٹ مار اور ذمگ فاد ان کا پیدائشی یا توریثی حق نہیں ہے اور وہ بھی

دوسریں کی طرح قانون کی پابندیوں سے بے نیاز نہیں بلکہ ان میں سختی کے ساتھ جگڑے ہوئے ہیں۔

( ۳۱ )

ابن سعو بہت رہی جناکش اور منصف مزاج تھا۔ اس کے تام کار و بار چاہے وہ ادنیٰ ہوں کہ اعلیٰ، سب عوام کی نگاہوں کے ساتھ کھلے میدان میں انعام پاتے تھے۔ ریاضن ہیں محل کی سیڑھیوں پر بیٹھکر وہ اپنی رعایا کی فریادیں سنتا اور فیصلے صادر کرتا تھا۔ دو ران ہر میں خیمه کے دروازہ پر بیٹھکر قصے چکاتا اور گاؤں میں بالعموم سجدہ کی سرٹھیوں پر بیٹھکر فیصلے کرتا تھا۔ ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ وہ بلا ہٹکے اور بلا توسط راست اس سے آکر اپنا معاملہ بیان کرے چنانچہ چپشوں کے جھگڑے، نخلتاوں کے حقوق کی نزاعات، اذشوں کی ملکیت، ڈاکہ، چوری یا اپیٹ کے جھگڑے وہ خود چکاتا تھا۔ ذرہ برابر بھی کسی کے ساتھ رعایت کرنا گناہ سمجھتا تھا قرآن ایک اس کا قانون تھا اور وہ تھیک اسی کے مطابق فیصلے کیا کرتا تھا۔ مدعی اور مدعی علیہ کے بیانات خود قلببند کرتا۔ شہادتوں کو خود سنتا اور خود فیصلے صادر کرتا تھا اور اس کے فیصلوں کا کوئی مرافقہ نہ تھا۔

ایک وغہ ایک بدوسی نے کسی اونٹ کے بازو سے کچھ سامان اٹھا لیا۔ صاحب مال نے ابن سعو کے سامنے اکر فتسم کھافی،

شہادت لی گئی۔ شہادت مکمل تھی۔ جلا دکو حکم ہوا کہ ماتحت اڑاؤ۔ یہ ہتھ سارے شہر میں پھرا یا گیا کہ اوروں کو عبرت حاصل ہو۔ ایک مرتبہ ایک عورت اور مرد آوارگی کے مرتکب ہوئے۔ عورت بڑی تریا چلت تھی اور مرد نے اس کے لیے کویت سے شراب منگار کھی تھی۔ واقعات کی تصدیق کی گئی۔ اس کے بعد ابن سود نے حکم دیا کہ عورت کو کوڑے مارتے ہوئے شہر سے باہر نکال لیا جائے اور مرد کو خوب کوڑے لگائے جائیں اور اگر وہ اس پر بھی زندہ رہے تو احسان سچ دیا جائے۔

ایک مرتبہ دو آدمیوں میں لڑائی ہو گئی، ان میں سے ایک مارا گیا۔ قاتل گرفتار ہو کر مستوجب سزا لٹھرا۔ مقتول کے خرستہ داروں نے خون بہالینے پر رضامندی ظاہر کی۔ ابن سعید نے دیت ہی پر فیصلہ کیا۔

ایک دفعہ ایک عورت روتی ہوئی اس کے پاس آ کر شکایت کرنے لگی کہ ہمسایہ کی گائے نے اس کے باغ میں لگس کر گھاٹس کھالی ہے۔ ہمسایہ نے قسم کھا کر انکار کیا۔ ابن سعید نے قصاص کو بلا کر گائے کا پیٹ چڑوایا۔ پیٹ میں گھاٹس موجود تھی۔ ہمسایہ کو نقصان پھرنا پڑا اور جھوٹی قسم کے الزام میں اُسے سخت جرم بھی کیا گیا۔

ابن سعید کے لیے حکومت کرنا آسان کام نہ تھا اس کیلئے

بڑی ہمت اور سلیقہ کی ضرورت تھی۔ اگر سعیداروں سے سابقہ پڑتا تو اور بات تھی، یہاں وہ جا ہوں سے دو چار تھا، اس کے علاوہ اس کے پاس حکومت کی آڑ بھی نہ تھی جس سے اس کی لفڑیں چھپ جائیں، وہ بذات خود حکومت تھا اور سب کی نظریں ہر دم اسی پر رہتی تھیں، اگر اس معاملہ میں اس سے ذری بھی فروگداشت ہو جاتی تو قبائل اس کے ہاتھ سے نکل جاتے، سوال یہاں صرف شخصیت کا تھا اور ابن سعید ایسی ہی الوضم شخصیت کا مالک تھا جیسی کہ ان جملہ کے لیے ضرورت تھی اور جس کے آگے انہیں چول و چڑا کی گنجائش نہ تھی۔

(۵)

بدویوں کی سرکوبی کے لیے ابن سعید حنوب کی طرف روانہ ہونے کو تھا کہ مجرموں نے اطلاع دی کہ دو شیش قبائل مطیر کو در غلا کر اس کے خلاف آمادہ کر رہے ہیں، حسین، شریف مکنے بھی ہوس کے جال پھیلا دے ہیں اور شنامیوں نے اسے عرب کا بادشاہ بننے کا لائچ دیا ہے اور اسی طرح مبارک اور اس کے چھپرے بھائیوں کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔

یہ سب ترکوں کی کارستا تھی۔ قبائل شمر اور مطیر اور مبارک کو ان کی طرف سے رقمی اور فوجی امداد دی جا رہی تھی، حسین سے بڑے بڑے وعدے کیے جا رہے تھے، بغدادیں فوجیں جمع ہوتی تھیں، احصار کے دار الخلافہ ہنوفت میں بھی جگنی انتظامات کمل ہو چکے تھے غرض

ابن سعو کی مخالفت کے لیے ہر طرح کا انتظام ہو چکا تھا لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس سے قبل بھی جبکہ ترکوں نے ابن سعو کا یہجا اٹھایا، انہیں کچھ ایسی مجبوری ہوئی کہ فوجیں والپس بلا لینی پڑیں اور اب کی دفعہ بھی یہی ہوا۔ چنانچہ ابن سعو پر حملہ کرنے کی تیاریوں کے مکمل ہو جانے کے بعد فوراً حکومت قسطنطینیہ نے بعد اد، بصرہ اور ہفوف سے اپنی فوجیں والپس بلا لین کیونکہ اطاالوی فوجوں نے بڑی پولی پر حملہ کر دیا اور بلخاریوں نے جنگ کا اعلان کر دیا تھا، جس کے ماتحت ترک سخت خطرہ میں تھے۔

ابن سعو کو یہ سہری موقعہ ہاتھ آگیا۔ کیونکہ ترک ہی اس کے لیے سخت خطرناک تھے۔ مطیر، عجمان، شتر، رشیدی اور حسین وہ سب سے نبٹ سکتا تھا، یہ کئی ایسی بڑی بات نہ تھی البتہ ترکوں کی منظمة فوجوں سے مقابلہ کرنا یقیناً اس کے لیے باہر تھا اب جبکہ ترک اپنے اندر وہی معالات میں الجھے ہوئے تھے اور عرب کی طرف ان کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، ابن سعو نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس ندین موقعہ سے فائدہ اٹھا کر احسار سے ترکوں کو بکال دیا جائے۔ اس تقصی کی تحت وہ اپنے منصوبے گھوڑتے لگا اور صحیح حالات معلوم کرنے کے لیے احسار کی طرف اپنے مخبروں کو روائی کیا۔ مخبروں نے اطلاع دی کہ ہفوف اور دیگر ساحلی شہروں میں اب ترکی فوج بہت کم ہو گئی ہے احسار اور بالخصوص ہفوف کے باشندے ترکوں سے بہت تنگ آگئے

ہیں، امن نام کو نہیں ہے، شہر میں تجے لفٹنگ بھرے پڑے ہیں، بدوی  
جب دل چاہتا ہے لوٹ مارا در غاز تکری کرتے ہیں، ان سے کوئی پیش  
نہیں کی جاتی، جس کا دل کو جی چاہے وہ لوٹ لیتے ہیں، انہوں میں  
داخل ہو کر جانور چڑائے جلتے ہیں۔ یہ ترکوں کی علامیہ چھپتیں اڑتیں  
قافلوں سے کافی روپیہ وصول کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود قافلوں  
کے منزل مقصود تک صحیح و سالم پہنچنے کا اطمینان نہ تھا اسکے شہر سے سائل تک  
کا مختصر سارستہ عجی محفوظ نہ تھا چنانچہ چند ہفتہ پہلے بدلوں نے ترکوں کو  
مار پیٹ کر کے .. و اونٹ اور ان کا ساز و سامان لوٹ لیا تھا متفیر کے  
موتی نکالنے والے ڈاکوں کر جبازوں کو لوٹ رہے ہیں، اس طرح  
بندگاہ عجیر میں کسی جہاڑ کو داخل ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اسی کے  
ساتھ بنزوں نے یہ عجی اطلاع دی کہ اس علاقہ کے لوگ این سعود کی

اطاعت قبل کرنے تیار ہیں تاکہ انہیں امن و امان نہیں ہو سکے۔  
ابن سعود نے سوچا کہ ایسے موقع پر بدمعاشوں کی سر کو بی کر کے  
اگر ھلاقوں اور بالخصوص شہر ہنوف کے باشندوں کی مدد کی جائے  
تو ان کے دلوں پر اس کا گہرا اثر ہو گا اور وہ ایک طرح سے اس کی مدد کو  
بہت بڑا احسان لانے لگیں گے۔ یہ خیال آتے ہی این سعود نے اپنی  
پاہ جمع کر کے جملہ کی تیاری شروع کر دی، کھانے اور سپاہی کا کافی انتظام  
کیا، اونٹ تقسیم کر کے ایک تاریک رات میں سفر کا آغاز کر دیا اور  
ریگستانِ دہنہ سے ہوتے ہوئے احساء اور پھر سیدھے ہنوف پہنچا۔

قلعہ کی فصیل معمبوط اور کافی اونچی تھی، خندق بھی ابھی حال حال میں  
نئی کھدی رکھتی، تھوڑے تھوڑے قاصلہ پر برج بننے ہوئے تھے اور  
ان پر مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے تھوڑے کے سامنے کھجور کے گھنے در  
تھے، ابن سعود نے اپنی فوجوں کو یہاں چھوڑ دیا اور خود سات سو سپاہیوں  
کے ساتھ، رسیاں اور کھجور کے تنوں کی بنی ہوئی سیڑی رسیاں لے کر قلعہ کی  
طرف بڑھا اور قلعہ میں داخل ہونے کے لیے ایک پست دیوار کا انتباہ۔  
کیا۔ جہاں خندق بھی سوکھی ہوئی تھی بسپاہی سیڑیوں کے ذریعہ  
اوپر چڑھنے لگے۔ قلعہ کے ایک سپاہی نے ان کی کچھ آہمیت سی سفی اور  
آواز دی، لیکن یہاں سے کچھ جواب نہ ملا۔ وہ بڑھتا تا ہوا پھر ٹھلنے لگا۔  
تھوڑی ہی دیر میں ابن سعود سپاہیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔  
کچھ سپاہی بہرہ والوں کی طرف لیکے اور کچھ قلعہ کے پھاٹک پر پہنچ کر وہاں  
کے فوجی وہی کی خبر لینے لگے۔ یہ بھارے اس اچانک حملت سے کچھ  
ایسے بدواں ہوئے کہ الارم تک نہ دیا اور ہر ایک اپنی جان بچانے  
کے فکر میں پڑا۔

صحیح ہوتے ہوتے ابن سعود کی ساری فوج قلعہ کے اندر داخل  
ہو گئی۔ ترکی گورنر اور اس کے سپاہی مارے وحشت کے ادھر اور  
بھاگنے لگے۔ اکثر وہ نے مسجد ابراہیم میں پناہ لی اور اندر سے دروازے  
بند کر لیے۔ ابن سعود نے ترکی گورنر کے پاس کھلا جھیجا کہ  
”اگر اس طرح سے مدافعت کی جائیگی تو پھر اس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

بہتر ہے کہ قلم سے باہر چلے جاؤ، معافی دے دی جائیگی۔

گورنمنٹ نے بلا چل وچرا اس بات کو تسلیم کر لیا اور دوسرے روز اپنی فوج کے ساتھ تلعہ سے باہر نکل کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے بعد ابن سعید احساں میں سے گذرا۔ قبائل نے اس کی اطاعت قبول کی، جیسا اور قطیف کی بند رگا ہیں لے لی گئیں اور کویت کی سرحد کا ساحلی علاقہ اس کے قبضہ میں بھی آگیا۔ ابن سعید نے اس صوبہ کا گورنر جلوی کو مقرر کیا۔

ترک مصلحتیاً اس واقعہ سے ناراضی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ابن سعید کی حکومت کو تسلیم کر کے اس سے ایک معاہدہ کیا جس کی وجہ سے احساں، بجہہ کا علاقہ قرار دیا گیا اور ابن سعید نے ترکوں کی بائی نام شاہنشاہیت تسلیم کی۔ اس صدر میں ترکوں نے ابن سعید کو بہت سی رقم اور مہتیار دیے۔

(۶)

احساد کی فتح سے ابن سعید کی شہرت میں چار چاند لگ گئے، اس کے حوصلے بلند اور اس کی ہمت میں دہ گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ اب بحیرہ رُز کی طرف جنوبی حدود اور بحیرہ قتلزم کی طرف عتیقه تک قبضہ کرنا، کویت پر حکومت اور شمر اور حائل کے علاقوں پر تسلط حاصل کرنے کا آرزو مند تھا۔ لیکن اس جنگ وجدی، فتح و نصرت اور مسلسل کامرانی کے چڑھتے نشہ میں اس نے اپنے باپ کی نصیحت نہیں بھولی۔ وہ محسوس

مک کر نہیں رہے۔ آج ادھر توکل ادھر۔ یہ محض جہالت کی وجہ تھی۔  
تاوقیتیکہ ان کو ایک رستہ میں منسلک نہ کیا جائے کام بننا مشکل تھا۔  
جہلا کی اس کثیر جماعت کی تنظیم اور انہیں رستہ پر لانے کے لیے  
ابن سود نے ایک محبوب نفیا قی ترکیب بنکالی۔ اس نے سوچا اگر ان  
سب کو کاشتکار بنادیا جائے تو پھر وہ محبوب ہو جائے گے۔ بات تو  
بڑی حمدہ تھی لیکن کام آسان نہ تھا۔ اس معاملہ میں اس نے مذہب سے  
امداد لینی مفید سمجھی، کیونکہ بدیویوں کو اکانے کے لیے مذہب ہی ایک  
اچھا اور مفید حرب تھا۔ اس سلسلہ میں مذہبی پیشواؤں سے اتحاد  
کرنا اس کے لیے نہایت ضروری تھا۔ ریاض میں عبد الوہاب کے  
غامدان کے بہت سے علماء تھے۔ ابن سود گوان کا امام تھا لیکن اپنی  
حیثیت کو اورستکم کرنے کے لیے اس نے عبد الوہاب کے خاندان کی  
ایک لڑکی سے شادی کر لی جس کے بطن سے بعد میں ایک لڑکا پیدا ہوا  
جس کا نام فتحیل رکھا گیا۔

ابن سود نے نہایت سوثر انداز میں اپنی اس تحریک کو مذہبی  
پیشواؤں کے آگے پیش کیا جس کو سب نے بالاتفاق نہ صرف تسلیم ہی کیا  
 بلکہ ہر طرح اس کام میں اس کا ہاتھ ٹانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ابن سود  
نے ایک ایک کوچھ پاپس پہنچاں آدمیوں کا ذمہ دار قرار دیا اور اس کام کو  
لپنے والوں کے قبولیض کیا۔ عبد الرحمن کی عمر گواہ بہت زیادہ ہو گئی تھی  
تاہم اس میں ابھی بہت کچھ جو لانی باقی تھی، وہ اکثر اہل قبل سے

ٹھا اور انہیں مختلف امور سے متعلق مشورے دیتا تھا، اس کا زیادہ تر وقت عبادت، امر اقیب اور دینی کتب کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا ایک سپکے دیندار کی طرح اس کی حیثیت مسلم تھی اور لوگوں بانخصوص ماؤں پر اس کا گہر اثر تھا۔ چنانچہ ابن سعو نے جب یا اصلاحی تحریک کی ان لوگوں کے آنگے پیش کی تھی تو بہوں نے تحریک کی نوعیت کے لحاظ سے اس کو خوش آمدید کیا لیکن دلوں میں ابن سعو کے متعلق کچھ شک ہی رکھتے تھے۔ مگر جب عبد الرحمن اس معاملہ میں نیچ میں آگیا تو اب کسی کو نہ تو احتراض کی گنجائش رہی اور نہ ان کا شک باقی رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملکہ اس کام کو ابن سعو کا کام نہیں بلکہ اپنا ذاتی کام تصور کرنے لگے۔ اس اصلاحی، یا تنظیمی جماعت کا نام ”الاخوان“ رکھا گیا۔ اس کے بعد ہر ریاض کے کئے ماؤں نے قبائل کے ماؤں اور پیش اماموں کے پاس احکامات بھجوادیے کہ وہ اہل قبائل کو اس امر کی تعلیم دیں کہ

مسلم کا خون مسلم کو بھی نہیں ہا ناچا یہ رسول خدا کا حکم ہے کہ کاشت کرو

عرب اور بانخصوص بدوی بڑے قدامت پسند واقع ہوئے تھے، ابتداء میں انہوں نے اس تنظیم سے ناراضی کا اظہار کیا۔ وہ نہیں چانتے تھے کہ ان کی روایات میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے یا انہیں کسی بات کا

پابند کر کے ان کی آزادی کو سلب کر لیا جائے۔ البتہ سب سے پہلے آں حرب نے اس اسکیم کی بڑی گرم جوشی کے ساتھ تائید کی اور اس قبیلہ کے شیخ سعد ابن مطیب نے اس کام کے لیے کچھ رضا کار فراہم کر لیے اور ارطاؤیہ میں قیام کیا۔

ارطاؤیہ ایک اجڑا ہوا بخیر مقام تھا۔ البتہ وہاں اچھے پانی کے چند چیزیں تھے، کچھ جانور جیسے تھے اور سفید ہر تھے اور پانی پیا کرتے تھے۔ ان چشمیں کے اطراف کی زمین افتابی تھی اور چند بکھور کے درخت اور ہر اور پھیلے ہوئے تھے۔

ابن سود نے اس معاملہ میں خاطر خواہ دھپسی لی۔ مطیب اور اس کے ہمراہیوں کو روپیہ پیسے سے امداد دی، زراعت کے طیقے تبلائے خود کام کی نگرانی کی، ایک مسجد بنوائی، پابند مصلییوں کو بطور تخفیف کے ایک ایک بندوق عطا کی۔ اس طرح سے ارطاؤیہ آہستہ آہستہ ترقی کی منزلیں ملے کرتا ہوا، ایک چھوٹے گاؤں سے ایک اچھا شہر بن گیا۔

ارطاؤیہ کے باشندے علاقہ بند کے سب باشندوں سے زیادہ مذہبی اور کٹے وہابی تھے۔ صرف قرآن مجید ان کے پیش نظر تھا۔ ان لوگوں نے عربی عالمہ پہنچا ترک کر دیا اور امتیاز کے لیے سفید شکل باہم حصہ لگئے۔ ”الاخوان“ کا نام ان کے لیے بہت ہی سہت اخراج اثابت ہوا۔ ارطاؤیہ کی اس ترقی کو دیکھ کر اکثر قبائل ”الاخوان“ کی جماعت میں شرکت کے لیے راضی ہو گئے۔ قبائل مطیب میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔

دوبیش نے ابن سعود سے مل کر صلح کر لی اور ابن سعود نے اسے ارطاویہ کا عال مقرر کر دیا۔ اس طرح قبائل میں اتحاد پیدا ہوتا چلا اور وہ قبیلے جو کبھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب محبوب دوست بننے لگے اور باہمی مخالفتوں کو دور کر کے ایک دوسرے کا ساتھ دینے لگے۔ اس سے قبل ابن سعود جگہوں کا انتخاب پسادر اور جنگجو قبائل سے علیحدہ علیحدہ کیا کرتا تھا لیکن اب اس نے ان کا انتخاب ارطاویہ کے باشندوں سے کیا جس میں مختلف قبیلوں کے لوگ شامل تھے اس طرح ”الاخوان“ کی تنظیم نے بیگانگی کا پرده اٹھا یکانگت کا زنگ جمادیا۔

# ساتوال باب

## نشیب و فراز

اہن سوادھر اپنے تعمیری کاموں میں مصروف تھا کہ اس دونوں میں انگریزوں اور جرمنوں میں خوب تن گئی۔ جرمنی اپنی سلطنت کو سیاست کے لیے نئے ہوئے تھے اور انگریزی حکومت اسے آگے بڑھنے پر روک رہی تھی۔ انگریزوں کا پلہ بھاری تھا اور وہ ان تمام مقامات پر قابض تھے جو جرمنوں کے مفید مطلب تھے چنانچہ ایک طرف مصر، نہر سوڑا اور بحیرہ قلزم اور دوسری طرف میسونپولیا اور خلیج فارس پر انگریزوں کا تسلط تھا جس سے جرمنوں کے راستے محدود ہو گئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جرمنوں کی ترکوں سے دوستی تھی اور ترک عرب پر حکمران تھے تاہم انگریزوں کا زور زیادہ تھا اور ترکوں کی حکومت بائی نام تھی

انگریز اور جمن دنوں اپنے مقاصد کی تجیل میں ہمہ تن مصروف تھے۔ ان کے مقاصد سرکاری اور غیر سرکاری طور پر عرب قبائل کے حکمرانوں کے پاس پہنچ کر ان سے دوستی اور اتحاد بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے، امام میں حسین، شریف مک، آل رشید، شیخ منظفک، مبارک اور ابن سعود۔ ان سب کو روپیہ پیسے اور آلات حرب کالائج دیا گیا۔ ابن سعود کے پاس کویت سے انگریزی و فصل شیکی پیر اور بصرہ اور مدینہ سے ترکی اور جمنی نمائندے علیحدہ علیحدہ ملنے کے لیے آئے۔ ابن سعود کے آگے اب ایک وقت طلب سلسلہ پیش ہو گیا۔ ساتھ دے توکس کا جنگ تو بیہی تھی اور ابن سعود کا کسی کے ساتھ ہو جانا لازمی۔ مگر سوال یہی تھا کہ کس کی جانبداری مفید ہو سکتے گی۔ نزک قریب ترین حکومت تھی، جمن اس کی پشت پر تھے۔ مال اور دولت اور فوجی طاقت کی بھی ان کے پاس کمی نہ تھی مگر ب لوگ اس کے دشمن اور رشیدیوں کے دوست تھے چنانچہ کچھ دنوں پہلے انہوں نے اس کو بے دخل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ ان کے ساتھ اس کی بناء مشکل تھی۔ اب رہے انگریز۔ یہ اس کے دوست بھی تھے اور جمنوں اور ترکوں کے مقابلہ میں کسی طرح دبتے نہ تھے۔ البتہ عرب سے انہیں کچھ زیادہ دبچی نہ تھی اور وہ عرب سے اپنا تعلق صرف اس لیے باقی رکھنا چاہتے تھے کہ ان کے لیے ہندوستان تک راستہ گھلا رہے اور دوسرے وہ ایران میں اپنے تیل کی حفاظت آسانی سے کر سکیں۔ بہر حال ابن سعود جانتا تھا کہ انگریز ہندوستان اور مصر پر سلط

رکھتے ہیں۔ مسقط، حضرموت، عمان اور عدن سے ان کی دوستی ہے، بھری اور بری قوت نمایاں ہے، فوجی تنظیم بھی کسی طرح کم نہیں۔ چنانچہ انہوں نے کویت سے جب نزکوں اور رشیدیوں کو سخال باہر کیا تو باوجود داس کے کجر من ان کی پشت پناہ تھے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس محاذ سے انگریزوں سے دوستی کرنی اس کے لیے معینہ نظر آئی۔ ٹاہم پھر وہی سوال پیش ہوا کہ ترک اور جرمن اس سے قریب تھے اور انگریز دوسرے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے وہ مبارک کے پاس گیا حالانکہ وہ جانشناختا کہ مبارک اس کے خلاف سازشیں کر رہا ہے تاہم اس نے اپنے دل میں کہا

”میں نے مبارک کو اپنا باپ کہا ہے، ایسے آٹے وقت میں اپنی مشکلات اسی کے آگے پیش کروں گا۔“

ابن سعود نے مبارک کو اطلاع بھی کہ وہ اس سے ملنے کا آرزو مند ہے، مبارک نے اسے منظور کیا اور دونوں مقررہ وقت پر متجدد اور کویت کے درمیان ایک گاؤں پر ملے۔ مبارک ہنایت شان و شوکت و جلوس کے ساتھ آیا، اس کے آگے اور پیچھے سلح سواروں کا محافظہ دستہ نیلی اور سہری دردیاں پہنچنے ہوئے ہم کا ب تھا۔ ابن سعود اپنے محافظہ دستہ کے ہمراہ ہنایت سادگی کے ساتھ پہنچا اور دونوں میں بڑے تباک سے ملاقات ہوئی، ابن سعود نے پہلے کی طرح مبارک کا احترام کیا اور مبارک بھی بڑے پن سے ملا۔ دونوں نے فی الوقت اپنے ذاتی جگہوں کو بالائے طاق رکھ کر نفس معاملہ پر گفتگو شروع کر دی اور کافی بحث و

مباحثہ کے بعد مبارک نے صلاح دی کہ انگریز ہوں یا چاہے جرمن، کسی کے ساتھ بھی اتحاد اور دوستی فضول ہے۔

مبارک کی یہ ایک چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ابن سعود کا دائرہ اثر وسط عرب تک ہی محدود رہے، ابن سعود اس بات کو سمجھ گیا۔ دل میں بہت طیش کھایا میکن اپنے جذبات کو ظاہر ہونے نہ دیا بلکہ اس نیک صلاح پر مبارک کا شکریہ ادا کیا۔ دونوں خنده پیشانی کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے، ابن سعود سیدھے ریاض پہنچا۔

ابن سعود نے ابھی کوئی قطعی تصنیفیہ نہیں کیا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ وہ نہایت عمدگی کے ساتھ سیاسی انداز میں گفتگو کر رہا تھا اور کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ وہ کس کا ساتھ دیگا، اس نے ہر دو فریق کو اپنے ماضی الفیرے سے متعلق مغالطہ میں رکھا۔ ترکوں سے نہایت کشادہ پیشانی سے گفتگو کی اور اپنے اونٹ اور گھوڑے ان سے کافی دام لے کر فروخت کر دیے۔ شکریہ سے بھی اس کا بزتاً مخلاصہ رہا اور اس سے کافی دولت گھسیٹی۔

( ۳ )

ابھی ابن سعود اپنے منصوبے گھڑ رہا تھا کہ یورپ میں ”جنگ خلیم“ چھڑکی۔ فرانس اور روس جو منی کو کچل ڈالنا چاہتے تھے، اگلستان نے ان کا ساتھ دیا، اس کے بعد ترکوں نے جمنوں کا ساتھ دیا اور اس طرح ترک اور انگریز ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔

ابن سعود کے لیے اب یہ نہایت ہی ضروری تھا کہ وہ کسی کے ساتھ

ہو جائے یا خود اپنے آپ کو مستحکم کر لے۔ اس نے فوراً شیوخ کے نام پر ڈالے  
بھیجے اور حالات کا انہصار کر کے لفواہش ظاہر کی کہ اپنے نازک وقت میں  
عرب قبائل کا متحد ہو جانا ضروری ہے ورنہ انگریز یا ترک جب عرب پر  
حرب آور ہونگے تو اُس وقت ملک کو بچانا بس سے باہر ہو گا۔ لیکن کسی نے  
اس کی اس آواز پر جذب شد تک نہ کی بلکہ حائل میں رشید کا ایک جا شین  
اپنے مخالفین کو شکست دے کر ترکوں کے ساتھ مل گیا۔

حسین ترکوں کا آدمی تھا لیکن وہ اپنے لڑکے عبد اللہ کے ذریعہ صر  
میں انگریزوں سے ساز باز کر لے تھا۔ اس کے علاوہ شامی اقلاب بیوں سے  
مل کر وہ ”عرب اتحاد“ کی ایک ایکیم بنارہ تھا جس کا صدر خود ہونا چاہتا  
تھا۔ انگریزوں نے بھی اس معاملہ میں اپنی رضامندی کا انہصار کیا یعنی انکے  
وہ ہر طرح اپنی دوستی اور اتحاد کے دائرہ کو وسیع کر کے جنگ عظیم کو فتح  
کرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے حسین نے انگریزوں سے اتحاد رپورٹ پیش  
کی ایسے اور ”عرب اتحاد“ کے گھمنڈ میں ابن سعود کو مکا ساجواب دیدیا۔  
مبادر ک معمراً سنبھیڑہ، دور کس اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے حالات  
کا سچانڈ کرتے ہوئے فوراً انگریزوں سے اتحاد کر لیا۔ لیکن ابھی وہ خطرہ ہی  
میں تھا کیونکہ معاہدہ کے باوجود انگریزوں نے اس کے پاس فوجیں نہیں  
بھجوائیں اور ممکن تھا کہ کسی وقت بھی ترک بصرہ کی طرف سے اس پر  
حملہ کر دیں۔ اسی لیے اس نے ابن سعود سے امداد طلب کی لیکن اس نے  
کوئی جواب نہ دیا بلکہ غیر جا تب دار ہی رہنا مناسب سمجھا۔

سکھائے کے اوائل میں انگریزوں نے فاؤنڈنگی مقام پر پڑا اڈا۔ ترکوں کو وہاں سے بھکا دیا اور بصرہ میں داخل ہو کر اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ اور ابن سعود کے پاس اپنے سفیر کشپیر کو عازم کیا۔ انگریزوں کی نظر دیگر عرب حکمرانوں سے زیادہ ابن سعود پر تھی کیونکہ ایک تو اس کی حیثیت مسلم ہو چکی تھی اور دوسرے وہ وسط عرب پر قابض تھا اور جس طرف چاہتا اور جب چاہتا آسانی سے حل کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر ابن سعود ترکوں سے اتحاد کر لیتا تو پھر بخداد کی طرف انگریزوں کا راستہ مسدود ہو جاتا اور انہیں محض اس کی مدافعت کے لیے کافی سے زیادہ فوجی طاقت صرف کرنی پڑتی۔ شیکپیر نے اس مقصد کی تخت ابن سعود کو بہت کچھ اضافہ کیا اور بہت لامچ دیا لیکن وہ اپنی جگہ مستقل رہا اور اتحاد پر راضی نہ ہوا۔ یہ حال دیکھ کر شیکپیر نے دوستانتہ غیر جانبداری کے لیے کوشش کی۔ ابن سعود اس پر فوراً راضی ہو گیا۔ اس اثناء میں خبر آئی کہ رشیدی بخدا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ ترکوں کی آنکھوں تھی۔ ترکوں نے یہ سمجھ کر کہیں ابن سعود انگریزوں سے معاہدہ نہ کرے، رشیدیوں کو رقمی اور حربی امداد دی اور انہیں ابن سعود پر حل کرنے کے لیے آمادہ کیا۔

یہ خبر ملتے ہی ابن سعود نے اپنے سپاہیوں کو جمع کرنے کے لیے تیز رفتار اونٹوں پر قاصدوں کو ادھر ادھر بھیج دیا۔ مطیر، جہان اور دو اسیر کے سوار جمع ہو گئے، بخدا کے شہروں اور گاؤں سے پیادہ

سپاہی آپنے اور ”اخوانی نو آبادیات“ کے جنگجوی بہت ہی جوش و خروش کے ساتھ آئے۔ یہ ان کی آذماںش کا پہلا موقع تھا۔ جب تین ہزار آدمی جمع ہو گئے ابن سعود نے شمال کی طرف کھینچ کیا۔ جرایب نامی مقام پر دشمنوں سے مدد و ہمیز ہوئی۔ ابن سعود نے فوراً حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی بالکل ریگستانی طرز پر ہوئی۔ جانبین کے سپاہی نفرہ لگاتے ہوئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑ رہے تھے۔

ابن سعود مطییر کے رسالہ کی سر کر دی کر رہا تھا۔ دونوں طرف سے برابر گولیاں چل رہی تھیں اور دونوں فوجیں آگے کی طرف بڑھ رہی تھیں بالآخر جب دونوں ایک دوسرے سے قریب ہوئے تو تلواریں نیام سے باہر نکل گئیں۔ دوپھر سے شام تک خوب زور کی لڑائی ہوئی، کبھی یہ کامیاب رہے اور کبھی وہ تا آن کہ نجدی مستقل طور پر پسپا ہونے لگئے، جماینوں نے یہ حال دیکھ کر خمیموں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس سے نجدی پست ہوت ہو گئے، ابن سعود نے انہیں سنبھالنے کی ممکنہ کوشش کی، ”الاخوان“، مصیبتو اور ثابت قدم رہے لیکن اور وہ نے دل چھوڑ دیا۔ یہ حالت دیکھ کر ابن سعود کو مجبوراً واپس لوٹنا پڑا اور جس وقت وہ ریاض پہنچا اس کے ساتھ صرف چند آدمی تھے۔

اس لڑائی میں شکیپیر مارا گیا۔ وہ ریگستانی جنگلوں سے بالکل نا آشنا تھا۔ ابن سعود نے حالانکہ اسے منع بھی کیا کہ وہ اس کے ساتھ شرکیت نہ رہے لیکن شاید اس کی قضا بکار رہی تھی جو وہ اس کے ساتھ ہو گیا۔

ابن سعود کو شکست فاش ہو گئی۔ پھر سے ایک مرتبہ عجمانیوں نے اسے دھوکا دیا۔

یہ خبر تمام ملک میں بہت جلد پھیل گئی کہ ابن سعود نے شکست کھائی اور وہ بھی ترکوں اور رشیدیوں کے مقابلہ میں۔ اس خبر کو پھیلائے میں بد دیلوں کا زیادہ ہاتھو تھا۔ قافلوں کے ذریعہ احساء، حجاز، بحیرہ اور شام میں بھی اس کی اطلاع ہو گئی عتیقیہ اور مرہ قبائل نے خوشیاں منائیں کہ ابن سعود کی حکومت کا جو اُن کے کندھوں سے اُتر گیا اور وہ پھر سے لوٹ مارا اور ظلم و تشدد کے لیے آزاد ہو گئے۔

ابن سعود کے آگے اب بہت زبردست خطرہ تھا، نہ تو اس کے پاس کافی پیسہ تھا اور نہ کافی سپاہی۔ دنیا میں چو طرف جنگ پھری ہوئی تھی۔ ترک اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے اور روپیہ دے دے کر قبائل کو اس کے خلاف بھڑکا رہے تھے، بد خو عجمانیوں نے اب کی دفعہ پھر اپنے کمیں پن کا انٹہار کیا۔ ابن سعود ان سب حالات کا بغور مطالعہ کر کے موقع کی نزاکت کو سمجھ گیا۔ اگر اس موقعہ پر ذرا بھی وہ پست ہتھی سے کام لیتا تو اس کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر جاتا۔

ابن سعود نے اس موقعہ پر ایک چال چلی۔ اس نے اپنے الاخوانی رضا کاروں کو جمع کر کے شریروں پر حلہ کا اعلان کر دیا کیونکہ قاصدیں نے اسے اطلاع دے دی تھی کہ شری قبائل اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریروں نے ابن سعود سے ایک عارضی

صلح کر لی۔

اس اشتباہ میں انگریز ملک پر ملک فتح کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور بعد ازاں پہنچ چکے تھے۔ ابن سعو نے اب ذرا بھی تامل نہیں کیا اور صوبیہ احساء میں بندرگاہ و غیرہ پر انگریزوں سے ایک معاہدہ کر لیا اس طرح کہ ایک معاہدہ اس نے مبارک سے بھی کیا کیونکہ خود مبارک اس کی امداد کا طالب تھا۔ آل عجمان کو یت پر ایک ہنگامہ برپا کر رہے تھے، مبارک چاہتا تھا کہ انہیں سزا دے کر اپنا ٹوٹا ہوا مال ان سے واپس لے، ابن سعو اس شرط کے ساتھ اس پر راضی ہو گیا کہ مبارک اسے مالی اور فوجی امداد دے۔

اس تھوڑی سی امداد کے ساتھ ابن سعو اپنے بھائی سعد اور جلوی کو لے کر مجاہیوں کو سزا دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس دفعہ سے بڑی تھوڑی پیش آئی اس لیے کہ ایک تو مجاہی اس کے جانی و شمن تھے اور دوسرے وہ قبائل جو اس کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر دل میں کڑھتے تھے، وہ بھی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہو چکے تھے۔ اس بحاظ سے ابن سعو کو ہر طرف سے حملہ کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ مجاہی بہادر اور جنگجو بھی تھے اور بالطبع باغی ہونے کے باوجود ان میں خود آپس میں زبردست ایکا تھا اور جنگ کے لیے وہ بہت جلد پہنچ چھڑا رہا۔ سپاہی آسمانی سے فراہم کر سکتے تھے۔ یہ بھی ابن سعو کا خاتمہ کرنے کے لیے تسلی ہوئے تھے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود ابن سعو مجاہیوں کے خلاف

جنگ کرنے تیار ہو گیا۔

۳۶

ہتلان نے جب یہ سنا کہ بندی اس کے مقابلہ کے لیے آئے ہے میں تو فوراً جنوب میں بیان الخالی کی طرف ہٹنے لگا کہ بندیوں کو مکانے پینے کی تکلیف ہے۔ چنانچہ ابن سعود نے جب ان کا پیچھا کیا تو اسے بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، سپاہی تحکم کر جوڑ ہو گئے اور پانی کی سخت تکلیف ہونے کی بہرحال یہ لوگ دھوپ کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ بالآخر کنزہن کے سامنے مجاہدوں سے مقابلہ ہوا، ہتلان نے چالاکی یہ کی تھی کہ اپنے تھوڑے آدمی سامنے بھجوادیے تھے اور اصل فوج پیچھے رکھ لی تھی کہ ابن سعود کو اس کے سپاہیوں کی تعداد کا کوئی صحیح اندازہ نہ ہو سکے چنانچہ جیسے ہی ابن سعود کے سپاہی آگے بڑھے ہتلان کے آدمیوں نے چوطرف سے انہیں گھیر لیا۔ بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔ اب تو ہر شخص اپنی جان بچانے کے لیے لڑ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے اندر سعد گولی کا فٹاٹہ بن گیا۔ خود ابن سعود بُری طرح زخمی ہوا اس کے فوجی پریشان و ہراسان ہو گئے۔ آخر ابن سعود کے بھاگتے ہی بن آئی۔ ابن سعود اب بڑی مصیبت میں پڑ گیا۔ اس کا سارا اوقار جاتا رہا۔ سوائے ”الاخوان“ کے باقی سب قبائل اس کو ملیا میٹ کرنے کے لیے تیار تھے۔ رشیدیوں نے معابرہ سے انحراف کر دیا اور بڑیدہ پر چڑھا کر فوج کے لیے بڑھنے لگے۔

اُس حالت میں بھی این سعو دنے دل نہیں چھوڑا۔ اس نے فوراً ریاض میں اپنے والد کے پاس اور کویت میں مبارک اور انگریزوں کے پاس امداد کے لیے آدمی روانے کیے۔ اس اثناء میں قسمت نے این سعو کا ساتھ دیا۔ بریڈہ کے باشندوں نے فہد کی سرگردگی میں رشید یوں کو شکست دے کر بھاگ دیا۔ ہتلان چاہتا تھا تو این سعو کا تعاقب کر کے اسے بھگا دیا لیکن اس کی بد وی ذہنیت نے اس طرف اسے متوجہ نہیں کیا بلکہ وہ احساء کے جنوب میں گاؤں دوٹنے اور شہر پُوف کا محاصرہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

عبد الرحمن کو ریاض میں جب اس واقعہ کی اطلاع می تو وہ اپنے رکنِ عملت سے نکل کر اطراف کے گاؤں میں گیا اور وہاں کے لوگوں کو جمع کرنے لگا۔ جب ایک کافی فوج بن گئی تو اسے اپنے بیٹے محمد کی سرکردگی میں این سعو دکی امداد کے لیے روانہ کیا۔ انگریزوں نے روپے اور ہتھیار روانہ کیے۔ مبارک نے شروع میں ذرا شش ویج کی لیکن بعد میں اپنے بیٹے سلیم کی سرکردگی میں تھوڑی سی فوج روانہ کر دی۔ این سعو کی بھسلیوں پر سخت چوتھ آئی تھی لیکن اس نے کسی سے اس کا انہیار نہیں کیا۔ بھائی کی موت نے اس کے دل میں انقام کی آگ بھڑکا دی ہتلان اور عجاییوں سے بدلہ لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا بلکہ قسم کھانی۔ اور امداد کی توقع میں بیکار نہیں بیٹھا رہا بلکہ عجاییوں کے مقابلہ کے لیے آدمی جمع کرنے لگا ایسے میں سلیم اور محمد بھی آگئے جس سے

اس کی فوجی طاقت میں ایک گونہ اضافہ ہو گیا۔

(۳)

عجمانی سفوف کے محاصرہ سے تنگ آچکے تھے۔ استقلال کے ساتھ محاصرہ کرنا ان کی فطرت کے خلاف تھا، وہ تو صرف لوٹ مار کے عادی تھے اور اسی میں انہیں لطف آتا تھا۔ کئی دن تک سفوف کا محاصرہ کرنے کے بعد جب کچھ عذر یتیجہ برآمد نہ ہو سکا تو چند آدمی اپنے اپنے مکان چلے گئے، چند ادھر ادھر لوٹ مار کرنے لگے اور چند اطاف واکناف میں چلیں گے۔ اس وقت عجمانی فوج منتشر حالت میں تھی۔

ابن سود نے مخدوٰ اور سلیم کو نے کر عجمانی فوج کا رخ کیا۔ عجمانیوں نے سعودی فوج کو بڑھتا ہوا دیکھ کر اگلیاں برسانی شروع کیں۔ ایک گولی ابن سود کے پیر میں لگی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ محافظہ درست نے فوراً اسے اٹھا کر خیمه میں بہنچا دیا۔ اس واقعہ سے فوج میں کسی قدر بے چینی پیدا ہو گئی۔ عجمانی فوج تو پہلے ہی سے منتشر تھی، انہیں یہ اچھا موقع آیا اور وہ چکے سے چل دیے۔

ابن سود سخت تکلیف کے باوجود حاضر دماغی سے کام کر رہا تھا، اس نے مخدوٰ اور سلیم کو ان کے تعاقب کے لیے روانہ کیا۔ ان دونوں نے تیزی کے ساتھ بچھا کر کے عجمانیوں کو ملا لیا، لیکن بجائے اس کے کہ سلیم عجمانیوں پر حملہ کرتا۔ ابن سود کا ساتھ چھوڑ کر عجمانیوں کے ساتھ مل گیا۔

ابن سعود اب بڑے چکر میں آگیا۔ ایک تو در دکی تخلیف اور در دہر اطراف کے لوگوں کی چہ میگوئیاں۔ کوئی کہتا تھا ”اب محانی آگئے ہماری خیر نہیں، وطن والپس جانا ہی مناسب ہے“ دوسرے اکتبا مدد ختم کاری ہیں۔ ابن سعود کی خیر نہیں، خدا ہی اچھا کرے تو کرئے خرض بختے منہ اتنی باتیں۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہے جا رہا تھا، حتیٰ کہ ابن سعود کے بہترین دوست اور ساتھی جس کی بڑی سے بڑی محیبت میں منس و غم خوار تھے، اب کسی قدر ہیئے نظر آنے لگے۔

یہ حال دیکھ ابن سعود نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ زخم کچھ لیے زیادہ نہیں ہیں، در دنام کو نہیں اور اب بھی میں پہلے کی طرح بہادری اور جوانمردی سے لڑ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے پاس کے گاؤں کے ایک شیخ کو بلوایا اور اس سے ایک ایسی کنواری لڑکی لانے کی فرماں شکی جو اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو، لڑکی آئی۔ ابن سعود سے اس کا عقد ہوا۔ اس کے بعد ابن سعود نے حکم دیا کہ فوج میں آج خوشیاں منانی جائیں۔ ابن سعود کا یہ فعل اس قدر نفسیاتی تھا کہ جس سے اس نے ٹوٹی ہوئی ہمت میں ایک جان ڈال دی، عرب اس جوش اور اس کام کو تحسین و فخر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اب ان میں ایک نئی روح آگئی۔

ابن سعود کے ساتھی اب اس درجہ جوش میں تھے کہ چاہتا تو وہ عجمانیوں کی بڑی بڑی کو توڑ سکتا۔ محمد بھی اس کے لیے تلا ہوا تھا۔

سلیم کی غداری نے اسے اور بھی آگ بگولہ بنار کھا تھا۔ لیکن ابن سود بڑا کہتہ رس اور سجیدہ مزاج انسان تھا۔ سلیم پر حملہ کرنا مبارک سے علانية دشمنی سول لینی تھی، اس لیے اس نے محمد کو حملے سے روکا اور مبارک کے نام ایک خط بھیجا۔

”یا والدی۔ میں نے صرف آپ کے احترام کی خاطر سلیم کو چھوڑ دیا اور نہ اس کے کیے کی سزا دیتا۔“

مبارک نے ابن سود کو روکھا سا جواب دیا اور اسے اسی پر جھوٹا لازم دھرا، اسی کے ساتھ مبارک نے ایک خط سلیم کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا: ”بیٹے میں نے تھیں رٹنے کے لیے نہیں بلکہ واقعات کا مشاہدہ کرنے کے لیے بھیجا تھا..... اگر ابن سود عجایبیوں کو شکست دے تو تم عجایبیوں کی امداد کرو اور اگر عجائبی این سود کو شکست دیں تو تم ان کا مقابلہ کرو اور نہ کسی کو مددو“

جاسوسوں نے یہ خطر راستہ سے اڑا کر ابن سود کے پاس پہنچا دیا۔ ابن سود کو اس پر بہت غصہ آیا۔ یہ مبارک کی غداری کا گھلائی ہوتے تھے۔ اس نے اپنے سب لوگوں کو جمع کر کے مبارک کی غداری کا حال سنایا۔ سبھوں نے رائے دی کہ فوراً حملہ کر دینا چاہیے اور اگر اسی سلسلہ میں کویت سے بھی جنگ کرنی پڑے تو حرج نہیں، ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔

”بے شک ایسا ہی ہونا چاہیے“ ابن سعو نے کہا اور قرآن پاک  
کی ایک آیت تلاوت کر کے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔  
جیسے وہ چلا، اطلاع آئی کہ سلیم عجائبیوں کو چھوڑ کر فوراً کویت  
چلا گیا ہے کیونکہ مبارک کا یہ کا یک انتقال ہو چکا تھا۔  
”خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم خدا کے لیے ہیں“ یہ کہہ کر ابن سعو  
سیدھا عجائبیوں کی طرف روانہ ہوا۔

یہ جنگ بڑی مسربت اور اعتمادی۔ ابن سعو اپنے بھائی سعد کا بدلہ  
لینے کے لیے تلا ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہتلان کے خاندان کے ایک فرد  
کو بھی زندہ نہ چھوڑے اور اس طرح قبائل کو ان کی غداری کا مزہ چکار  
ایک ایسی مثال قائم کرے کہ آئندہ پھر کوئی قبیلہ ایسی حرکت نازیبا  
کا مرتكب نہ ہو۔ عجمانی بھی اسی طرح ابن سعو کے ہاتھ دھوکہ چھپے پڑے  
ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کی موروثی آزادی میں  
رخنے اداز ہو کر انہیں اپنا حکوم بنائے۔ وہ بھی مقابلہ کے لیے ہر طرح  
سے تیار تھے۔

شہنشاہ ۱۹۱۶ء میں تمام سال یہ معرکہ رہا۔ کبھی یہ جیتے اور کبھی وہ  
بالآخر ابن سعو نے عجائبیوں کو سلسل شکستیں دے کر پسپا کر دیا، اس کی  
وجہ یہ تھی کہ ابن سعو کے ساتھی زیادہ تر ”الاخوان“ جماعت کے لوگ  
اور گاؤں والے تھے۔ یہ ثابت قدم اور مستقل مزاج تھے اور عجمانی تیرے۔  
انہیں لوٹ مار کر کے مگر میں آرام کی نیند سنو نے میں مزہ آتا تھا،

انہیں بھلا مستقل جنگ سے کیا واسطہ ؟ نتیجہ یہ ہوا کہ شروع میں تو انہوں نے اپنی آزادی کی حفاظت کے لیے بہت سچھ مقابلہ کیا لیکن جب سعودی ہمت اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے تو وہ منقشر ہو گئے۔ بہر حال یہ جنگ بہت زور دار رہی۔ مردوں اور عورتوں دونوں نے اس میں کافی سے زیادہ حصہ لیا۔ مردوں کا کام لڑنا اور عورتوں کا کام زخمی آدمیوں کو ہلاک کرنا تھا۔ ایک مرتبہ ایک زخمی وہابی نے ایک عجائبی عورت سے پانی مانگا۔ اس عورت نے اسے اتنا مارا کہ بے چارا مر گیا۔ ایک دفعہ ایک زخمی عجائبی کنوئیں کے پاس دم توڑتا تھا امداد کے لیے اس نے ایک وہابی عورت کو پکارا۔ عورت آئی۔ اور بندوق اور ٹوٹے لے، اسے کنوئے میں ڈسکیل کر خریہ انداز میں گھر کی طرف چلی گئی۔

عجائبی جب بھاگنے لگے تو ابن سعود کے لوگوں نے نہایت بے رحمی سے ان کے گاؤں جلا کر انہیں ہلاک کر دیا۔ ہتلان اور اس کے چند رفقاء احسار سے ہوتے ہوئے کویت میں داخل ہوئے۔ ابن سعود نے ان کا مطالیہ کیا تاکہ ان کا خاتمہ کر دے۔ لیکن یہاں مبارک کا بیٹا جابر حکمران تھا اور اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے ساری حکومت کی بائیں سلیم کے ہاتھ میں تھی۔ سلیم نے صاف انکار کر دیا۔ چاہتا تو وہ کویت پر بھی حملہ کر سکتا تھا لیکن ایسے حملہ سے اس نے جو انگریزوں نے معاہدہ کیا تھا وہ ٹوٹ جاتا تھا اس لیے وہ فی الوقت خاموش

رو گیا لیکن قسم کھالی کہ جب کبھی بھی موقع ملے وہ سلیم کو اپنے کئے کامزہ چھائے گا۔

اس کے بعد ابن سود بخدا اپس آیا۔ اکثر قبیلے جواس کی موقعتی شکست سے بُلن ہو کر اس کے خلاف سراٹھانے لگے تھے اب چپک کر رہ گئے۔ جماینوں کے ساتھ اس کا سلوك حد درجه سخت رہا لیکن جن قبیلوں نے اس کی حکومت کو بلاچوں و چراتیلیم کیا اور جو وقایا نوقتاً اس کے پاس اپنے فوجی دستے روانہ کرتے رہے، ان کے ساتھ ابن سود نے اچھا بڑا کیا اور بہت کچھ نہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔  
ابن سود پھر سے ایک مرتبہ بخدا میں کامران تھا!

# آٹھواں باب

## انگریزوں سے دوستی اور سلطنت کی چمٹنی

( ۱ )

ابن سحود برابر دو سال تک خانگی اور بیرونی معاملات میں الجماہروا رہا، بالآخر ۱۹۱۶ء میں اس کے قدم جم گئے اور اس کی حکومت ایک حد تک مسلم ہو گئی۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک عربستان کے سرحدی مقامات پر سخت چنگ ہوتی۔ انگریزوں نے شروع میں شکست کھائی لیکن جب ان کی مزید فوج لکھ کے لیے آگئی تو انہوں نے آسانی کے ساتھ بندوں پر قبضہ کر کے موصل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس دوران میں جرل الٹن بنی Allenby بیت المقدس کو فتح کر کے دمشق کی مدافعت کے لیے تیاریاں کرنے لگا۔

یہ حال دیکھ کر حسین، شریعت مکہ انگریزوں کی دوستی کا اعلان کر کے

ترکوں سے بر سر پیکار ہو گیا۔ ابتداء میں انگریز این سود کی طرف جھکے ہوئے تھے اور اس کے اتحاد کو اپنے لیے ضروری خیال کرتے تھے لیکن جب جواب پر اسے شکست ہوئی تو این سود کا وقار ان کی نظروں میں کم موجیا اور وہ اسے چھوڑ ہسین کی طرف رجوع ہوئے۔ اس کے علاوہ ہسین کی دوستی انگریزوں کے لیے ایک اور وجہ سے نبھی مفید ہو سکتی تھی۔ وہ یہ کہ ہسین مقاماتِ مقدسه کا والی تھا اور اس طرح سے مسلمان لازماً اسی کی طرف داری کرتے۔ مزید براں اگر انگریز ہسین سے دوستی نہ کرتے تو جن جہاز پر حادی ہو جاتے، اس طرح سے انگریزوں کا راستہ رک جاتا۔ اس لیے انہوں نے ہسین کی دوستی کو فیضت خیال کیا اور اس کے معاوضہ میں ماہنہ میں ہزار پونڈ دینے کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی اس کے اس کو مدعاً بھی کہا جائے، اس کا صدر بنانے کا بھی لائق دیا۔

ترکوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے انقلابی انگریز کے چند سر برآورده لیڈروں کو شام میں سولی دے دی۔ ہسین نے ترکوں کی اس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، ترک اس پر بہت بگوئے اور ترک گورنر جمال پاشا نے ہسین کو سخت دھمکی دی اور ساتھ ہی اپنی قوت کو مستحکم کرنے کے لیے مدینہ میں اور فوج روانہ کی۔

اس کے بعد ہسین نے اور سر اٹھایا اور بغاوت کر کے اپنے آپ کو عرب کو آزادی دلانے والا لیڈر جلانا شروع کیا۔ ہسین کے بیٹے علی، عہد اشہد اور فیصل نے مدینہ پر دھاوا کر کے ترکوں کو نکال باہر کر دیا۔

ترکوں نے پھر سے ایک زور دار حملہ کیا اور جمازیوں کو ساحل تک بھکھا دیا۔ حسین نے انگریزوں سے امداد طلب کی۔ شروع میں تو انگریزوں نے کچھ زیادہ توجہ نہ دی لیکن جب حسین کی حالت سقیم ہو گئی تو انہوں نے آخر وقت میں بند رگاہ جدہ اور مینواع پر اپنے چند جگہی جماز روانہ کیے رپورٹ پسیہ، ہتھیار اور بندوقوں سے بھی مدد کی اور مزید امداد کے لیے کرنل فی۔ اسی لارنس کو روانہ کیا۔ اس امداد نے جمازیوں کی ہمت کو خاصا بڑھا دیا۔ لارنس کی قیادت ان کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ سونا دے دے کر حسین نے عرب کے بہترین جنگجو فراہم کر لیے تھیں کہ بند کے بعض بہترین سپاہی بھی سونے کے لائیج میں اس کے پاس آگئے۔

ہر طریقہ سے مطمئن ہو کر حسین نے ساحل کا رخ کیا اور ریلوے لائن تک پہنچ گیا۔ دمشق اور مدینہ کے درمیان جو ریلوے کی پڑی تھی اس کو تورڈالا۔ اس طرح سے ترک مدینہ میں بے یار و مدد گار رہ گئے۔ لارنس اور فرصل کے زیر قیادت حسین کے ساتھیوں نے عقبیہ پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنا مرکز قرار دے کر آگے کا رخ کیا۔ رستہ میں انہی کی فوج مل گئی جو دمشق پر دھاوا بولنے کے لیے شمال کی طرف کوچ کر رہی تھی ترک ہر طرف سے مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ انگریز بڑی طرح ان کا پیچھا کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ترکوں کو مختلف مقامات سے نہ بے دخل کر دیا بلکہ وہ ایک بڑی طاقت فراہم کر کے ملک عرب سے ترکوں کا نام و نشان ہی مٹا دینا چاہتے تھے۔

آنے والے دن انگریزوں کی فتوحات میں اضافہ ہوتا ہاڑا تھا لیکن اس کے باوجود حالات کچھ اس قدر پیچیدہ اور ناک تھے کہ قطعی طور پر فیصلہ کرنے ممکن تھا کہ کس کو فتح ہو گی۔ فرنگیں کسی طرح مسلط نہ تھے۔ اور ہر ایک کی یہی خواہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکومتوں کو اپنا حلیف بنائیں۔ عرب کی حد تک انگریز اپنی کامل خلافت اور امداد کے لیے ابن سعید کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ گواہوں نے اس کی ایک شکست کی بناء پر کچھ عرصہ کے لیے اس کی طرف سے توجہ ہٹالی تھی تاہم اب اس کا ساتھ ضروری تھا لیکن کہ ابن سعید عرب کے پورے و سطحی حصہ پر حاکم تھا اور اس حصہ ملک میں اس کا اچھا اثر تھا۔ اسی لیے انہوں نے ابن سعید کو حلیف بنانے کی خاطر سینٹ جان فلپی کو بھیجا جو بغداد کے سیول کمشنز اسٹاف کا ایک رکن اور سیاسی افسر تھا۔ لارڈ بل ہے وہ بھی اسی کے ہمراہ روانہ کیا گیا۔

ابن سعید نے اس وفد کا نہایت خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا، علماء اور رعایا کی مرضی کے خلاف انہیں ریاض کے شاہی محل میں پھر پڑا اور خوب خاطر تواضع کی۔ بل ہے وہ اور فلپی نے مختلف پہلوؤں پر اس سے گفتگو کی۔ ابن سعید اسے خاموشی سے سنتا ہاڑا اور اپنی رائے کو محفوظ رکھا۔ کیونکہ ایسے موقع پر جانبداری سے زیادہ غیر جانبداری کے سلوك کو وہ زیادہ بہتر خیال کرتا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ دوسروں کا آزاد کار بنے۔ انگریز بھی فی الحال یہی چاہتے تھے، انہوں نے اس غیر جانبداری کے معاوضہ میں اسے امانت پانچ ہزار پونڈ میں کا وعده دیا۔

ابن سعوہ انگریزوں کو بھی بھی امداد دینا ہیں چاہتا تھا، اس لیے  
ہیں کہ اسے انگریزوں سے وشمنی ملتی بلکہ وہ حسین کا سخت مقابلہ تھا۔  
اور انگریزوں کو مدد دینا باوی النظر میں حسین کو مدد دینے کے مراوف تھا۔  
حسین "عرب اتحاد" کا صدر بننا چاہتا تھا۔ یہ اس کا ایک خواب تھا  
اگر بالفرض بورا بھی ہو جاتا تو ابن سعوہ اسے کب تسلیم کرنے والا تھا؟  
حسین نے انگریزوں کی امداد سے بند اور اطراف و اکناف کے  
دیگر قبائل سے اچھے جنگجو سپاہی فراہم کر لیے۔ ابن سعوہ اب پر گھنکوں  
ہو گیا اور انگریزی و قدر سے کہا:

"آپ لوگ جو حسین کو مدد دے رہے ہیں، سخت غلطی ہے،  
جیسے ہی آپ روپیہ دینا بند کر دیں گے، دیکھ لینا کہ میں اس کے ساتھ  
کیسا پر تاؤ کروں گا اور کس طرح تمام قبائل کو اپنے پاس بٹاؤ گھا۔"  
بل ہے وہ اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ ابن سعوہ کو مجبوہ کیا  
کہ وہ حائل جا کر رشیدیوں پر حملہ کرے۔ ابن سعوہ نے اسے لگا سا

جواب دے دیا  
"یاد رکھئے، انگریزوں سے میری دوستی نے رشیدیوں کو غیر جانبدار  
بنادیا ہے۔ تاہم میں ان پر تاؤ کروں گا بشرطیکہ مجھے بھی اسی طبع کی امداد  
دی جائے جس طرح حسین کو دی گئی ہے، اور ساتھ ہی اس کے اس امر  
کی ضمانت بھی دی جائے کہ جس وقت میں آگے بڑھتا رہوں، آپکے  
حلیف سلیم اور حسین مجھ پر حملہ آور نہ ہوں۔"

گزشتہ میں سال، ابن سعوڈ کی زندگی لڑنے بھڑنے میں گذری۔  
 اسے نام کو آرام نہ طا۔ اتنی بھی فرصت نہ ملی کہ وہ اپنے محل کی حالت کو  
 شیک کر سکتا۔ خالگی اور بیرونی معاملات نے بُری طرح اسے گھیر کھاتا  
 آج وہ کسی طرف سے مطہن ہوا تو کل اُسی معرضِ بحث میں آگیا عجمانیوں کی  
 سسل بغاوتوں نے اسے سبق دیا کہ خود اس کے اپنے لوگوں میں اتحاد  
 نہیں ہے۔ اس کے ملاوہ ابن سعوڈ کی کوئی باقاعدہ حکومت بھی نہیں تھی  
 جو آسانی سے کام چلتا رہتا۔ سارا کام ابن سعوڈ کے سرچا اور ہربابت کا  
 وہی ذمہ دار۔ اس کی ذرا سی لغزش یا پستِ عتی برسوں کی محنت کو  
 خاک میں ملا دینے کے لیے کافی تھی ایسی صورت میں اسے کس طرح میں  
 فیض ہو سکتا؟

اب واقعات بدل چکے تھے اور ابن سعوڈ کو کچھ آرام ملا تھا اس لیے  
 اس نے اس وقت کو فیضت جانا اور سلطنت کا ایک باقاعدہ نظام  
 قائم کرنے کی طرف رجوع ہوا۔ سرقبیلہ اور ہر شہر کے لیے شیخ اور عالی  
 مقرر کر دیے تاکہ یہ لوگ ضبط قائم رکھیں، میکس وصول کریں اور ضرورت  
 پر فوج فراہم کر سکیں۔ اس انتخاب میں اس نے موروثی حقوق کا زیادہ  
 خیال رکھا تاکہ عوام میں بد دلی نہ پیدا ہونے پائے۔ اس طرح کا انتظام  
 ہو لینے کے بعد خود شہروں کا اچانک دورہ کرنے لگا۔ دورہ میں وہ  
 عاملوں اور قبائل کے سر برآورده لوگوں سے ملتا، ان کے ساتھ چاپتا

اور مساویانہ طریقہ پر بتاؤ کرتا تھا، اس طرح سے شہر کے عام حالات سو اسے کافی واقفیت ہو جاتی تھی۔ اگر کوئی ذری بھی بے ایمانی یا خداری کرتا تو اسے کافی سزا دی جاتی تھی۔ ایک دفعہ انگریزی و فدکے رکن بھی نے شکایت کی کہ زبانی کا عامل عثمان ترکوں کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ ابن سعید نے تحقیقات کی اور ثبوت فراہم ہو گیا تو عثمان کے پاس فوراً ایک خطر وانہ کیا:

”لے خدا کے دشمن! کیا میں نے تجھے قسم دے کر منع نہیں کیا تھا کہ ترکوں سے معاملہ نہ کر..... اس پر بھی تو اور تیرے بیٹھے نے ترکوں سے مال و اسباب اور کھانے پینے کی اشیاء خریدیں اور اب وہ اور تو فائدہ کمانے بیٹھے ہیں۔ تیری یہ نازیبا سازش مدت الحیر میرے حافظ پر نقش رہیگی۔ میں اب تجھے بر طرف کرتا ہوں، میری حملت کو چھوڑ کر جہاں تیزی بھی چاہے چلا جا۔ اگر تو نے اس حکم کی تسلیم میں ذری بھی تاخیر کی، خواہ وہ ایک مکملہ ہی کی کیوں نہ ہو، تو قسم ہے رب العزت کی کہ میں حاکم نہیں اگر اس سر زمین پر تیرا ذرہ بھی رکھ چوڑا۔“

عثمان، ابن سعید کی سخت طبیعت سے خوب واقف تھا۔ خطر پڑھتے ہی وہ اپنا بوریا بدھنا باندھ کر سجد سے باہر نکل گیا۔  
 ابن سعید نے اس طرح کا انتظام کیا تھا کہ عامل اور شیخ دو لوگ

مل کر عمدگی اور اطمینان سے کام کر گئیں ۔ ہر ایک کے فرائض کی تفہیم اور تشریح کروی تھی کہ میادا وہ خود اپس میں الجھنہ پڑیں ۔ اس کے علاوہ ابن سعید نے ہر ایک قبیلہ کو اپنے ہمسایہ قبیلہ کی حرکات و سکنات کا نوٹ گردانا ۔ ہر قبیلہ کا فرض تھا کہ اگر کوئی بازو والا قبیلہ اس کے خلاف سر اٹھائے یا سازش کرنے لگے تو فوراً اس کی اطلاع اُن سعووں کو کھو کر دی جائے ۔ اس طرح سے قبائل کی تلویں مزاجوں سے ابن سعوو کو کچھ دیر کے لیے بنجاتی ہی ۔ سازشوں اور شردارتوں میں کمی واقع ہو گئی ۔ اور اس طرح سے ابن سعوو کی سلطنت اب کسی قدر سکھم ہو گئی ۔

# نوال باب

## در میانی زندگی

۱۱

ابن سعود کی عرب سلطنتیں سال کی ہو گئی تھی (۱۹۱۶ء)۔ وہ ایک بھاری بھر کم، مضبوط جسم کا تو انا انسان تھا، اس کی آنکھیں ہجوری اور ان میں بلا کی جوت تھی۔ جب کبھی خوش رہتا، اس کی انکھوں سے مسکراہٹ نہیاں ہوتی اور جب غصہ بنناک ہوتا تو ان سے شعلے نکلتے۔ اس کی داڑھی چڑھی اور گھنی تھی۔ موچیں شع کے مطابق کٹی ہوئی ہیں۔ ہمیشہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیتے رہتی تھی۔ اس میں بلا کی تھات اور برو پاری تھی، صورت سے ایک خاص دبیہ میکتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی یہ کوئی سنجیدہ اعد اول الغزم حملہ ہے۔

ابن سعود کی زندگی بہت ہی سادہ تھی۔ خواہ محل میں ہو یا

سفر میں، وہ ہمیشہ کنایت شعرا ری سے کام لیتا تھا۔ آنام کی اسے نام کو خواہش نہ تھی، محل میں بھی وہ معمولی چارپائی پر سوتا تھا، زرق برق بلکہ سے سخت تنفس تھا، البتہ اس کے شایر اور عالمہ پر تھوڑا بہت زرین کام ہوتا تھا لیکن وہ بھی شرعی حدود کے اندر۔

ابن سعید بڑا ہی نفاست پسند واقع ہوا تھا، اس کی وقت تھا۔ بہت تیز تھی ملکی سی خراب بو کو بھی وہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک ”پاشا“ اس سے ملنے کے لیے آیا، بہت ہی اہم معا پر اس سے نتفتگو ہو رہی تھی۔ گرما کا زمانہ تھا اس لیے پاشا ہیں اور پیاز استعمال کر رہا تھا اور سگریٹ پر سگریٹ سلگائے جا رہا تھا۔ ان کی بوئے ابن سعید کا دم گھٹنے لگا، غلام کو آواز دی اور اگر سوز منگو کر سارے کمرہ کو دھواں دلایا اور جب پاشا رخت ہو کر چلا گیا تو کہنے لگا ”پاشا، یہ پاشا ہے یا غاکر ووب“

ابن سعید فدا کے معاملہ میں بھی بہت محاط تھا اور ہمیشہ سادہ فدا میں استعمال کرتا تھا، صبح تھوڑے سے دودھ، مسکہ اور قوس کا ناشتہ بناتا اور شام میں روٹی، گوشت اور تھوڑے سے کھجور کھالیا کرتا تھا۔ البتہ دن میں کئی دفعہ چاہی اور قبوہ پیتا تھا۔ ابن سعید ہمیشہ مستعد رہا کرتا تھا، بیکار بیٹھنا اس کی قدرت کے خلاف تھا، ہر وقت کچھ نہ کچھ کیا کرتا تھا، سوتا بھی بہت کم تھا، رات اور دن میں مشکل سے دو تین گھنٹے سوتا ہو گا۔ وہ کہتا تھا کہ

سونے سے شور کا بہت سا وقت بے شوری میں ضائع جاتا ہے۔  
ابن سعوں کا حافظہ بھی بڑا زبردست تھا۔ ایک وقت میں وہ دو  
نشیوں کو مختلف موضوعوں پر لکھواتا اور اس درمیان میں کئی چھوٹے  
سوٹے فیصلے بھی کرتا تھا۔ اگر زیج میں کوئی دخل دیتا تو بھی اس کا  
سلسلہ رجحان ٹوٹنے نہیں پاتا تھا۔

اس اشارہ میں ابن سعوں نے لپنے محل کی بھی تعمیر کرائی، اس کو  
دیسیع کیا، اس کے اطراف مستحکم حصہ تعمیر کرایا اور برج بنوائے۔  
ایوان عام میں ترمیم کی اور تین ہزار آدمیوں کی نشستوں کا انشتمان کیا۔  
ابن سعوں کا محافظہ دستہ بہت زبردست تھا، اس میں بند کے  
مختسب جگجو اور تنور مند جبشی غلام تھے۔ ان کا لباس سعید تھا، ہاتھ میں  
طفیخ اور چاندی کے دست کی تلوار ہوتی تھی۔ محافظہ دستہ کے  
یہ سپاہی ہر وقت احکامات کی تعییں کے لیے تیار رہتے تھے، محل میں  
اپنی کاراج تھا۔

ابن سعوں کی زندگی سادگی کا بہترین نمونہ تھی اور وہ حتی الواسع  
اپنے آپ کو تکلفات اور بیجا اصراف سے دور رکھتا تھا تاہم  
ضرورت مندوں کو خیرات دینا اور مہالوں کو حتی المقدود مدد سے  
عده تھالٹ دینا اس کا دستور تھا۔ محاط تھا مگر فیاض۔ یہکہ تھا  
اس کے ایک ماتحت نے اس کی فیاضیوں پر اعتراض کیا تو ابن سعوں  
نے جواب دیا۔

”ارقام جمع کرنے کے لیے خزانہ بنانا، نہ میرا دستور رہا ہے اور نہ  
میرے اجداد کا۔ جمع شدہ رقم فضول ہوتی ہے، دوسرے باوشاہی  
کی کروڑوں کی دولت کس کام آئی؟“

ایک دوسرے معزف کو جویں اس نے اسی طرح کا دنداشکن  
جواب دیا۔

”جہاں ہم بولنگے وہیں سے کاٹ جی سکنگے، امن اور خوش حالی  
کے زمانہ میں اگر میں فراغ دلی سے نیچ روگنا تو جنگ اور مصیبت کے  
زمانہ میں اچھی فصل بھی کاٹ سکوں گا۔ امن کے زمانہ میں تو میں ہاتھ  
نہیں روکوں گا اور اگر کوئی کوئیری عبا کی بھی ضرورت ہو تو اس کے  
دینے میں بھی مجھے کوئی تماں نہیں۔ جنگ کے زمانہ میں جب میں طلب  
کروں گا تو میری رعایا اپنی جان و مال سے مدد کرنے میں فرا بھی  
دینے نہ کریں گے۔“

ابن سود کو اسی طرح اپنے خاندان پر بھی بہت ناز تھا، افراد  
خاندان کے ساتھ وہ نہایت اچھا سلوک کرتا تھا اور اس امر کا کافی  
خیال رکھتا تھا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ سعد کے انتقال کے  
بعد اس نے اس کی بیوہ سے عقدہ کر لیا اور اس کے بچوں کی پرورش  
بالکلیہ اپنے ذمہ کر لی۔ بیویوں کے ساتھ اس کا سلوک حد درجہ ساوانیا  
تھا، سب ہر طرح سے خوش تھے۔ ابن سود اپنے والد کا حد درجہ  
احترام کرتا اور ضرورتی اور نازک مسائل میں اس کے نیک مشورے

لے کر ان پر عمل کرتا تھا۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود تمام بڑے آدمیوں کی طرح وہ بھی کسی قدر خیالی تھا، جب خوش ہوتا تو دل بھر کر بہتا بولتا اور ساتھیوں کی غلطیوں کو نظر انداز کر جاتا لیکن اگر ذرا آزدہ ہوتا تو پھر تنکا بھی اس کی آنکھوں میں شہیر دن کر کھٹکتا اور وہ غصہ کے مارے کا نتیجہ لگتا لیکن ساتھ ہی اس کے اس کا غصہ دیر پا نہ تھا بلکہ بہت جلد اُتر جاتا تھا۔ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ غلطی خود اس کی تھی تو وہ فوراً اس کا اعتراف کرتا اور اگر اس سلسلہ میں اس کی طرف سے کسی کو نقصان پہنچتا تو اس کی تلافی کر دیتا۔

ایک مرتبہ اس کے ایک خاص غلام نے کچھ غلطی کی، اس نے حکم دے دیا کہ وہ عین دو پھر کے وقت بر سہنہ پیر سید سے ہنوف چلا جائے۔ غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ وراثی غلام قیود تھا تو فوراً اس نے ہنوف کی طرف تیز رفتار ساندھی سوار روانہ کیے تاکہ وہ جلد اسے واپس بلا لائیں۔ جب غلام واپس آیا تو اسے اپنے مانو بھڑا کر یا تیس کیس اور پھر اسے گھر جانے کا حکم دیا۔ جب یہ غلام گھر پہنچا تو ایک حسین اور جیل بونڈی اس کی منتظر تھی۔ یہ ابن سعوہ کا انعام تھا۔ جلوی کا بیٹا، فہراؤ بڑا لڑا کو اور سر پیرا تھا۔ ایک دفعاً اس نے شاہی محفوظت کے لیک سپاہی کو مار دیا۔ ابن سعوہ نے فوراً اسے طلب کیا اور اپنے چاہب کے خوب پیٹ کر خیہ کے باہر ٹھیکیل دیا۔

ابن سعود کے علماء میں سے ایک نے الاخوان کی جماعت والوں کے ساتھ بدلسوکی کی۔ ابن سود نے اس عالم سے جماعت طلب کیا۔ اس نے کچھ بے ادبی کی اس پر ابن سعود نے اسے اپنے ملازمین کے ذریعے کرم کے باہر نکلوادیا اور حکم دیا کہ عام آدمیوں کی طرح اسے بھی ایک ہفتکی قید تھیانی دی جائے۔

بہر حال ابن سعود اگل کو یو لاکا تھا لیکن اسے خصصہ جتنا جلد آتا تھا اتنا ہی جلد اتر بھی جاتا تھا۔ اس کی اصل وجہ خدا کی بے اعتدالی تھی۔ ابن سعود بہت کم سخت بیمار پڑا، البتہ گھٹیاں بیمار اور فاد جگر کا لگاؤ بہیشہ ہی رہا۔ مگر وہ اس کی ذری بھی پرواہ نہ کرتا تھا اور جو ملے او جتنا ملے کھا لیتا تھا۔ رمضان میں افطار کے بعد بھی بھر کر میوے کھاتا اور دل کھول کر پانی پیتا تھا۔ کہا نا بہت تیری سے کھاتا اور کھاتے ہی کام کرنے پڑیجھ جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اعصاب قابویں نہ رہ سکے اور جذبات پر اس کا مضر اڑ پڑا۔

ہر بڑے آدمی کی طرح ابن سعود بھی بحث و مباحثہ سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اور انہی مباحثوں سے وہ اہم اور سودمند نتائج بھی اخذ کرتا تھا۔ بحث و مباحثہ اس کے اوقات فرست کا مشغله تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد اپنا اجلاس کرتا اس کے بعد کچھ دیر کے لیے حرم میں جا کر پھر اپنے دوست احباب اور چہاؤں کے ساتھ بیٹھ کر ان سے مختلف عنوانات۔ گھوڑے، اونٹ، شکار، جنگ، نہیںی مسائل وغیرہ پر

محنتکر تھا۔ اگر کوئی باہر والا ریاض آتا تو پھر اس کی دلچسپی کا سامان اور بڑھ جاتا اور وہ اسے دعوت دے کر بیرونی دنیا کے واقعات دلچسپی کے ساتھ منا کرتا تھا۔

ابن سعود رات کا راجہ تھا، تمام دن کام کرنے کے بعد بھی وہ راتوں کو بہت دیر تک جاگتا تھا۔ اس کے ساتھی نمیں کے مارے غوطے لگاتے، جما بیاں لیتے اور یہ چار اور قہوہ پتے ہوتے اور اور ہر کی باتیں کرتے رہتا چب کوئی شخص بالکل غافل ہو جاتا تو اس طرح جگاتا۔ ہاں یا فی بتو پھر اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ”یہ شخص جنک جاتا اور سنبھل کر بیٹھتا۔ اس پر ابن سعود سکرا دیتا۔ یہی اس کا نماق تھا!

۲۱

شانہ میں ابن سعود کی حکومت نجد پرست حکم چوگئی، اور بیرونی حاکم خصوصاً جرمنوں اور انگریزوں کے پاس اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ لیکن ہمایہ قبائل سے اس کے تعلقات کسی قدر چیز دی ہو گئے۔ رشیدی فی الوقت خاموش بیٹھے اطمینان کے ساتھ تو کوں سے تجارت کر رہے تھے۔ رشیدیوں نے سلیم سے ساز باز کر لی اور خفیہ طور پر کویت سے سامان بخاکر دمشق میں رہنے والے ترکوں کے پاس بھیجتے رہے۔ اس طرح ان دونوں تینوں میں ایک طبع کا ایکا ہو گیا تھا۔ ابن سعود کو سلیم سے سخت دشمنی تھی، مجاہیوں کا ساتھ دے کر عین وقت پر جو اس نے دفا کی اس کا فاعل بھی اس کے دل سے مٹا نہ تھا، وہ چاہتا تھا کہ سلیم کو کویت سے نکال کر

وہاں بھی اپنی حکومت قائم کر لے۔ ابن سعود نے اس کی تجارت میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی، اس پر سلیم نے عجمانیوں کو ابھارا کہ وہ سندھ میں بناؤ پھیلائیں۔ اور خود ابن سعود کے چند آدمیوں کو جو کسی کام سے کوئی گئے ہوئے تھے اپنے پاس قید کر لیا۔ اس طرح ان دونوں میں محلی مخالفت ہو گئی۔ اسی کے ساتھ ابن سعود اور حسین میں تن گئی۔ جب انگریزوں نے ترکوں کو بھگا دیا تو حسین کا اثر بڑھ گیا اور وہ اپنے کو "امالک عرب کا شہنشاہ" جلانے لگا اور ابن سعود کو عجیب لکھ بھیجا کہ وہ اس کی حکومت کو قلعہ کرے اور قبائل عتیبہ پر سے اپنا قسلط اٹھائے۔ ابن سعود اس خط کو پڑھ کر لگا بخواہ ہو گیا۔ لیکن وقت ایسا نازک تھا کہ فوراً اس کا جواب بھیگ سے نہ دے سکا کیونکہ اب اسے دو قوتوں سے بیٹھا ہوا، ایک سلیم، دوسرے حسین۔ اسی لیے اس نے وہابی طاؤں کو عتیبہ روانہ کیا کہ وہ آل عتیبہ کو حسین کے خلاف اچھی طرح سے آمادہ کریں۔ طاؤں کو اس میں کامیابی ہوئی، خرمہ کا سردار لوری کی حسین سے پہلے ہی ناچاقی ہو چکی، قبائل پر اس کا اچھا اثر تھا، اس نے ان کو حسین کے خلاف بہت جلد بھر جا دیا اور حسین کے نمائندے کو بکال کر لیا اور ابن سعود کی سیادت قبول کر لی۔

خرما مشہور، زرخیز اور تجارتی شہر تھا، یہاں سندھ کے بدھی بھاری تاج محل سے لون اور بکرے تباولہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ اس طرح سے یہ حجاز کی کنجی تھی، علاوہ ازیں حجاز کو جانے والی سڑکیں بھی اور حرجی

عین سجدہ کے لیے بھی بھی راست تھا، مگر اور طائف کو بھی اسی سے گذرا  
جانا پڑتا تھا۔ حسین کی فیضت پر بھی اس شہر کو اپنے دشمنوں کے حوالہ نہیں  
کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً آٹھ سو ساپنے ہیوں کو لے والیں لینے کیلئے روانہ  
کیا۔ خواکے باشندے بڑے یہاں رتھے، انہوں نے چھوڑ فسے حسین کے  
پاس ہیوں کو گھیر لیا اور خوب مار پڑ کر کے بچ گا دیا  
تم بخدا میں ایک دھوم چمگتی اور بچہ بچہ حسین کا مخالف ہو گیا۔  
”شریف حسین ہی ہمارا دشمن ہے،“ وہ بے دین ہے، اکتنی  
سیکی کی بات ہے کہ وہ مقامات مدرسہ کا دالی ہے، وہ باغی اور غامبی۔  
یہ بڑے غضب کی بات ہو گی کہ ہم سچے مسلمانوں پر حملہ کر کے بغیر نہ اپنے  
چلا جائے اے عبد العزیز اللہ اور ہماری رہبری کر۔“

ابن سعود نے جواب دیا ”ہاں یہ سچ ہے، حسین اور مکہ والے مشرک  
ہوتے جا رہے ہیں..... لیکن امود سلطنت کا لحاظ کر کے مجھے کچھ انتظار  
کرنا چاہیے۔“

— ۳۹ —

ابن سعود کی خیرت، اس کی خواہش اور رعایا کا اصرار اسے حسین پر  
حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر رہا تھا لیکن فلیپی کی وجہ سے تجوہ تھا کیونکہ اس سے  
غیر جانبداری کا وعدہ ہو چکا تھا اور حسین بھی انگریزوں کا حلیف تھا،  
انگریزوں نے بھائے حسین کے ابن رشید پر حملہ کرنے کی صلاح دی کیونکہ وہ  
ترکوں کا حلیف تھا، اسی طرح سے بل تھے وہ دشمن پر دھا دا

بولنے کا مشورہ دیا۔ لیکن ابن سعود اتنا غیر نجیدہ تو نہ تھا جو ان کی باتوں میں آجائتا۔ وہ اپنی حدود سے اچھی طرح واقع تھا۔ کچھ جواب دینے کی بجائے وہ خاموشی کے ساتھ سوچتا رہا، تمام گرم کار زمانہ اسی الجھن میں کٹا اور کچھ طے نہ کر سکا۔ یونکہ اُر حسین پر حمل کرتا تو اُنگریزوں سے محابہہ ٹوٹ جاتا، اور اُنگریزوں نہ ہو جاتے، وہ خواہ مخواہ اُنگریزوں کو اپنادھن بنانا ہمیں چاہتا تھا یونکہ اسے اللاح یل جیکی تھی کہ ترک تزعع کی حالت میں میں اور جنگ غلیم میں اُنگریزوں کو فتح ہونی دیجی ہے۔

وہ اسی الجھن میں تھا کہ حسین نے خرما پر ایک دفعہ اور چڑھائی کر کی میکن اس دفعہ بھی اسے شکست ہوئی، لوی نے ابن سعود سے امداد طلب کی میکن ابن سعوڈ اپنی فوج نہیں سمجھ سکا بلکہ اس نے حسین کو ایک خط لکھ بھیجا۔ حسین نے اس خط کو بتیر کھوئے تھا اس سے واپس کر دیا اور قاصد سے کہا کہ وہ ابن سعوڈ سے جا کر کہہ دے کہ حسین، تمام عرب حاکم کا شہنشاہ، غفرنہ، ریاض پر حملہ کر کے مشکلین کامنہ کا لاؤ کرنے والا ہے۔

ریاض میں چمیگوئیاں ہونے لگیں۔ ہر شخص حسین کے خلاف تیار تھا، عبد الرحمن، مشیران سلطنت، علماء، شیوخ اور الاخوان سب کے سب حسین پر حمل کرنے کے لیے ابن سعوڈ کو مجبور کر رہے تھے مگر اُنگریز اسے برابر دو کے جارہے تھے۔ اُنگریز اس وقت ایک لبردست چال چل رہے تھے، ابن سعوڈ کا ذر کھٹانے کے لیے ادھر تراہیوں نے اس سے محابہ کر لیا اور اُدھر حسین کو روپیہ بھرنے لگے۔ اس طرف رشید پر

حل کرنے کی صلاح دی۔ اُس طرف سلیم کے ذریعہ اسے مدد پہنچائی۔ ابن سعید اس چال کو سمجھنے سکا اور اپنے معاہدہ کی پابندی میں نقصان پر نقصان اٹھانا گیا۔

بالآخر ابن سعید کا پیارا نہ صبر بربرد ہو چکا۔ وہ اس جنگال سے سخت ناراض تھا۔ ایک موقعہ پر فلبی سے خوب بحث ہو گئی، ابن سعید نے صبری کے ساتھ زمین پر لکڑی مار کر کہنے لگا۔

”واشد، میں ان فضول باتوں سے اپنے آپ کو دق کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے حق ہے کہ اس سر زمین پر خدا کے خوف سے مرتے دم تک حکومت کروں۔“

یہی اس کا فلسفہ زندگی تھا۔

فلبی ابن سعید کو ہمیشہ حسین کی مخالفت سے روکتا رہا بلکہ ہر دفعہ رشیدیوں پر حلہ کرنے کی صلاح دی۔ ایک دفعہ ابن سعید نے تنگ آگر فلبی سے کہا۔

”چھ طرف سے اگر زیوں کے حلیف مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں۔ خدا ان کو دیکھے۔ میں بھی اگر زیوں کا حلیف ہوں، پھر بھی وہ مجھے دھمکی دیے جا سہے ہیں، لیکن فلبی یاد رکھو، اگر انگر زیوں نے میری خاکست تکی تو کوئی پرواہ نہیں، میں ان کے حلیفوں سے خود بنت لو گا۔“ اس انتہاء میں ابن سعید کی صحت کچھ جواب دے چکی، اس کی خود اعتمادی اور جو شی میں بھی ذری سی کمی ہو گئی۔ حومام میں کسی قدر بدلی

پھیل گئی کہ ابن سعید کا جوش ٹھنڈا ہی گیا ہے۔ حسین نے ایک مرتبہ اور خرما پر چڑھائی کی لیکن فوج اس دفعہ بھی اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔ حسین خرما کو فتح کرنے کے لیے ایک زبردست فوج روانہ کرنے کی تیاری کرنے لگتا۔ خرمائی رعایانے اس کے پاس سلسل پیغام بھیجے لیکن سب لا حاصل آخیں انہوں نے مجبور ہو کر طرزیہ انداز میں یہ لکھ بھیجا۔

”لے عبد العزیز، اگر تم چھے وینا کی دولت جمع کرنے کی خواہش ہے اور تو اسی لیے ہماری امداد کو نہیں آنا چاہتا تو ہمیں صاف ساف کہہ دے۔ ہم تجھے معاف کرتے ہیں۔ ہم نے تیری امداد کے لیے ہمیشہ اپنے آدمی روانہ کیے لیکن ہمیں اس سے چیز فائدہ نہ ہوا۔ اب کی دفعہ ہم عورتوں کو روانہ کر سکتے تاکہ سنجیوں کو خبرت دلا کر وہ ہماری امداد کے لیے آمادہ کر سکیں۔“

جب اس خط کا حال سنجیدیوں کو معلوم ہوا تو ان کے خصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک طوفان برپا ہو گیا۔ علماء نے عام جلسوں میں ابن سعید پر اعتراضات کی بوجھا رکنی شروع کر دی، ریاض کے بلند پایہ شیخ شیخ عبد الوہاب نے ابن سعید پر یہ الزام لگایا کہ وہ اسلام سے بہت کر مسلمانوں کو نظر انداز کر رہا ہے، انگریزوں کا دوست ہے اور جیسا کہ خرمائی نے لکھ بھیجا وہ سہیں تباہ دبرباکر کے اپنا خزانہ بھرنا چاہتا ہے۔ وہابی نہیں چاہتے تھے کہ انگریزان کے ملک میں آ کر رہیں۔ اب تو وہ اور گھر سے حتیٰ اک طاز میں نے بھی مقاطعہ شروع کر دیا۔ دولیش نے

”الاخوان“ کو جنگ کے لیے تیار کر دیا اور یہ کہدا یا کہ اگر ابن سعود کو جنگ میں کچھ تماں ہے تو پھر ہم خود حسین کو دیکھ لیں گے۔ خرما والوں کی مدد کریں گے اور کہ پر قبضہ جائیں گے۔ اسی دوران میں اطلاع آئی کہ حسین، رشید اور سلیم سے اتحاد کر کے متفقہ طور پر بندگی پر حملہ کرنا چاہتا ہے، سلیم عجمانیوں سے مل رہا ہے اور رشیدی قبائل شمر کو لالج دے کر اپنا ہم نوا بنا رہے ہیں۔

— ( ۳ ) —

ان حالات نے ابن سعود کی انگلیں کھوں دیں اور اس نے فوراً جنگ کا تصفیہ کر لیا۔ کسی قطعی فیصلہ پر نہ پہنچنے کے باعث، زندگی اس پر ہار گز رہی تھی اور اسی بوجہ سے وہ دباجا رہا تھا، لیکن جب اس نے دل میں تصفیہ کر لیا تو اسے کیسوں ہو گئی اور اب پھر وہ پہلے کا ابن سعود تھا۔

ابن سعود نے اس جوش میں عقلمندی کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس نے انگریزوں سے اسی لالج دوستی قائم رکھی بلکہ ان سے وعدہ لیا کہ سلیم اور حسین کو اس پر حملہ کرنے سے روکیں۔ اس کے بعد اپنے بیٹے ترکی کو دو شیش کی معیت میں قبیلہ شمر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ علماء فی الحال رشیدیوں پر حملہ کرنے کے مخالف تھے اور حسین کو اس کے کرتوت کا جواب دینا ضروری سمجھتے تھے۔ ابن سعود نے ان کی تشفی کے لیے علماء کی تفہیم کی اور بتلایا کہ رشیدی اہل بندگی کے دشمن ہیں، پہلے بھی وہ مخالف تھے اور اب بھی مخالف ہیں، ترکوں سے

ان کی خاصی دوستی ہے، وہ دامے، درستے، قدے اور سخنے ان کی  
امداد کر رہے ہیں، قبیلہ شمر ہر طرح سے تیار ہے، انہیں صرف  
ترکی فوج کا انتظام ہے، ورنہ وہ کبھی کے ریاض پر حملہ کر دئے ہوتے۔  
ایسے وقت میں ان پر حملہ نہ کرنا اصولی غلطی ہے۔ رہا سین اور سلیم کا  
معاملہ، وہ بعد کو دیکھا جائیگا، فی الوقت ان سے ہمیں کئی خطاہ نہیں  
کیونکہ اگر یزوں کے ذریعہ اس کا بندوبست کر دیا جا چکا ہے۔ رشیدیوں  
سے بنتے کے بعد حسین اور سلیم کو مزرا دینا کوئی بڑی بات نہیں۔

ابن سعوہ کا یہ استدلال علماء کے لیے تشفی بخش تھا، اس کے بعد  
ابن سعوہ نے قبائل کے سرداروں کے پاس کہلا بھیجا کہ سب کے سب  
شہر شرق آر کے پاس جمع ہو جائیں۔ ہر شخص جنگ کے لیے تلا ہوا تھا،  
خوشی خوشی سب جمع ہوئے، اس کے بعد ابن سعوہ اپنے محافظات کے  
ہمراہ اس مقام پر پہنچا اور کہا کہ جنگ ابن رشید اور آل شمر سے ہو۔  
یہ سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ وہ حسین، سلیم اور بجانیوں کو خون  
کے پیاس سے تھے اور اسی فرض سے آئے بھی تھے۔ ”الآخران“ بھی  
اس بات سے ناراض تھے، قبیلہ مطیر کے شیخ الدویش نے نماشہ  
کی جیت سے سامنے آ کر ابن سعوہ سے کھلے الفاظ میں کہا

”وَهُمْ حَسِينٌ بْنُ جَانِيُوْنَ سَعَيْنَ بَنِي جَنَكٍ چَاهَتْنَهُ مِنْ، اَكْرِيزَ اَسَے مَدْ  
دِيْرَ ہے ہیں جس سے ہماری اخوت کو دھکایا ہے، رہا ہے، ہم تو اپنے  
ذہب کے خالقین سے جنگ چاہتے ہیں۔ اگر راضی ہو تو بولو ہم

پہلے حسین کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں یا آں عجمان کے؟“

ابن سعو نے بہت ہی سمجھ دی اور خاموشی کے ساتھ اس کی  
بائیں نہیں۔ وہ ان کے دلوں کی حالت سے خوب واقف تھا، وہی  
شبہ کر رہے تھے کہ ابن سعو کافروں سے مل کر ان کے اشاروں پر چل  
رہا ہے۔ اب ابن سعو بڑی مکمل میں تھا، گویم شکل و گورہ کو یہ مکمل۔  
سر جھکا کر دہ ایک گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اگر الاخوان ذرا بھی بدل جائی  
تو وہ دو شیں کی سر کردگی میں حسین پر حملہ کر بیٹھیں گے۔ دو میش بڑا  
چال باز تھا اور الاخوان کی قوت اب کافی زبردست ہو چکی تھی۔  
ان سے مخالفت کرنا اپنے اثر کو اپنے ہاتھ سے زائل کرنا تھا۔

بہر حال ابن سعو نہایت ممتاز کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور  
دارڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک ہاتھ کو آگے بڑھا کر گر جتی ہوئی آواز  
میں ان سے مخاطب ہوا۔ اپنے قبائل کی نعمیات سے وہ خوب واقف  
تھا، ان کو اکسانا، ان سے میمی میمی بائیں کرنا اور پھر تیر ہو کر دامت  
دینا، یہ سب اس کے چلتے ہوئے گرتے۔ اپنی آواز کو آہستہ آہستہ  
اٹھاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”دیکھو، تم میرے ساہی ہو، سوائے خدا کی قوت کے تھارے  
اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ نہ خیال کرنا کہ میں ان امور سے بغیر  
ہوں جن کی ہمیں ضرورت ہے، اور یہ شریف حسین کا، تم اس کے  
متعلق زیادہ فکر نہ کرو، انگریز اسے خرا پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کے

یا۔ ہاں میں تم سے وحدہ کرتا ہوں کہ میں خود اس کے خلاف حملہ کروں گا۔ اس کی فکر نہ کرو۔ اگر میں اپنے خاندان کے کسی رکن یا ایک غلام ہی کو بیچ دوں تو سارا جنوبی علاقہ شریف کے خلاف اٹھ کھڑا ہو جائیگا۔ اور اب رہا عجمانیوں کے متعلق، تو تم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور جو یہ کہتے ہو کہ انگریز سے مدد پیشیا ہے ہیں، اگر یہ ہے تو پھر انگریز مجھے یہ کیوں کہتے ہیں، تم نادان ہو، تمہارے پاس ذرائع موجود ہیں، ابھی حاصل پر حملہ کر دو۔؟

”وہ درست کہتے ہیں، میرے پاس حملہ کرنے کے لیے وسائل موجود ہیں اور ان کے باوجود میں تالیں کر رہا ہوں۔ اگر میں حاصل پر قبضہ کر لوں تو پھر جمافی کیا چیز ہیں؟ اگر میں حاکم ہو جاؤں تو انگریز تمام ریاستی قبائل کو میری ہی نگرانی میں چھوڑ دیں گے اور ہماری سر زمین پر جو لوگ پہتے ہیں، ان سے ہمیں کوئی خطرہ نہ رہیگا۔“

اس کے بعد جب یہ لوگ رام ہوتے نظر آئے تو ابن سود نے بتلا یا کہ مذہب کے دشمن تو روشنیدی ہیں، علماء نے بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی۔ الآخر ان جو کچھ دیر پہلے شبے میں بھرے ہوئے بیٹھتے تھے، اب صاف ہو گئے اور جوش میں آگ کر کہنے لگے۔

”لے عبد العزیز تو نے ہم پر اس سے پہلے ہی بھروسہ کیوں نہیں کیا، بلاشک و شبے ہم تیرے ہی لیے رفتے۔“

اس طرح پھرستے یا۔ مرتبہ ابن سود ان کا قابل اعتماد رہبر

بن گیا۔ اپنے قبائل اس کے خیمه کی اطراف جمع ہو کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے گئے۔ شام کو سب لوگ ایک جگہ نماز کر لیے جمع ہوئے، ابن سعود نے امامت کی، اس کے بازو لیک جبشی غلام برہمنہ تواریخے کھڑا اتنا مک کوئی دشمن اچانک حلہ نہ کر سکی۔ نماز ختم ہونے پر ابن سعود نے کہا۔

”ہر شخص اپنے گھر چلا جائے جنگ کے لیے جلدی سے تیار ہو جاؤ، اور اپنے گھروں میں سب چیزیں ٹھیک کر کے چاند رات کو مجھ سے بریوہ پرلو، خدا ہر بان ہے، وہ ہمیں کامیاب کر گیا۔“

ایک ماہ بعد ابن سعود نے حائل کا رُخ کیا۔ مجبوں نے اطلاع دی کہ اس وقت رشیدی موافقتوں کے لیے بالکل تیا۔ نہیں ہیں۔ یہ سن کر ابن سعود نے آگے بڑھنا شروع کیا، رستہ میں بنی یطف کے قبائل تھے، یہ لوگ رشیدیوں کے وفادار دوست اور بذاتِ خود پڑھے بہادر تھے، انہوں نے ابن سعود کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا لیکن اس کی منفذہ فوج نے انہیں اپسپا کر دیا۔ اس درسیانی جھگٹی میں جو وقت لگا اس عرصہ میں ابن سعود کی چڑھائی کی اطلاع رشید کو ہمیں اور وہ قلعہ بند ہو کر محاصرہ کے لیے تیار ہو گیا۔

ابن سعود محاصرہ کو فضول سمجھتا تھا اس کے ساتھی بھی جنگ کے لیے بے چین تھے۔ ایسے میں رشیدیوں نے صلح کی درخواست کی۔ ابن سعود نے اسے قبول کر لیا اور بنی یطف سے بہت کچھ مال فتحیت حاصل کر کے خوش خوش گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس چڑھائی سے

رشیدوں اور ترکوں پر خاص اثر ہوا، انگریز بھی خوش ہوئے، مسلم کر  
بھی بھا واسطہ یک وکی ہرگئی اور اہل خند اور الاخوان دو قوں خوش  
ہو گئے۔ ابن سود کی یہ دہ سیاسی چال تھی جس کو دیکھ کر آج کے  
زمانہ کے بڑے بڑے سیاسی دلکشی میں۔

# سوال بابت حسین کی شکست

جب ابن سحود سائل سے ریاضی کی طرف لوٹ رہا تھا، فلسطین میں ان بنی اور بندوں میں ماؤ ترکوں کی منتشر قوچ کو بیکار ہے تھے۔ رسول عرب انگریزوں کا قیضہ ہرگیا۔ ترک بڑی طرح پسپا ہوئے۔ بلغاریہ اور ترک نے صلیکی درخواست کی۔ آسٹریا نے بھی بھی کیا۔ جرمنی کی ملکت خراب ہو گئی اس طرح جنگ عظیم کا خاتمه ہو چکا۔

اس کے بعد ۱۹۱۴ء میں انفلوئزا شروع ہوا، یہ زیادہ تر جنگ کا نتیجہ تھا، زہر میگیوں، سڑے مردوں اور طرح طرح کی بیخوبی کی تھت انفلوئزا ساری دنیا میں پھیل گیا۔ ملک عرب بھی اس سے نیچے سکا۔ ریاض میں اس کا ذور بہت رہا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جسے

کوئی مردہ نہ رکھا ہو۔ بخوبی کافی چہد تر کی، جو ایک بہادر اور مضبوط چان  
تھا، اسی مرض منہوس کا شکار بنا۔ شاہی حرم میں ابن سعود کی محبوب ملکہ  
جوہرہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

تمام ریاض اپنے مرحوموں پر خون کے آنسو بہار رہا تھا، ابن سعود  
بھی ان کے ساتھ اپنے فم میں جلتا تھا، یوں تواں کی اور بیویاں تھیں  
لیکن جوہرہ کو وہ سب سے زیادہ چاہتا تھا، یہ سعودی خاندان کی  
ایک شہزادی تھی۔ عام عورتوں کے مقابلہ میں وہ بہت سی حسین  
اور ذہین تھی۔ ابن سعود کو اس سے بے حد محبت تھی۔ ایک دفعہ کسی  
بات پر دونوں میں جس گردا ہو گیا، دونوں تک دونوں ایک دوسرے  
سے علیحدہ رہے۔ ابن سعود کو یہ قلیل مت بھی شاق گندی۔ وہ کسی  
طرح اس سے علیحدہ نہیں رہ سکتا ہے، جوہرہ کے بغیر اس کی ننگی  
یعنی تھی۔

ابن سعود نے کئی شادیاں کیں لیکن ان کی تعداد کبھی شرعی احکامات  
کے دائرہ سے باہر نہیں ہوئی چنانچہ وہ کہا کرتا تھا۔  
”میں محمد رسول اللہ صلیم کے احکامات کی سختی کے ساتھ پابندی  
کرتا ہوں اور جو حکم ہے اس پر عمل کرتا ہوں ..... میں نے اپنی  
بیویوں کی تعداد کو بھی حد شرعی سے متجاوز ہونے نہ دیا“  
۱۹۶۴ء میں ایک دفعہ دورانِ گفتگو میں اس نے بلے ون  
سے سخت تعجب کے ساتھ پوچھا۔

”اُنگلستان اس قدر روش خیال ہونے کے باوجود وہاں زنا کرنے یہ سزا نہیں۔ اس ریاستان میں تو اس کے لیے نگٹ باری کی جاتی ہے“

بلے ون نے دریافت کیا  
”آپ کے حرم میں کتنی عورتیں ہیں؟“  
ابن سعو نے جواب دیا۔

”میں سرکار دو عالم کے حکم کے مطابق چاہیوں رکھتا ہوں“  
”ولیکن کتنی عورتوں سے عقد کیا اور کتنوں کو طلاق دی؟“  
”میں نے کوئی نٹو کے قریب عورتوں سے عقد کیا اور طلاق بھی دی، اگر خدا چاہے تو اور کئی شادیاں کر کے طلاق دوں گا“  
ایک دوسرے موقع پر ابن سعو نے فلبی سے شادی اور طلاق کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

”واللہ میں نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں، اور خدا کے فضل سے اب تک شادیاں کرتا ہوں۔ میں ابھی نوجوان اور مضبوط ہوں۔ اب جنگ کے نقصانات کے بعد یقیناً ایک وقت آیا گا جبکہ یورپ کے لوگ سکھیں گے اور ہر مرد کئی شادیاں کرنے لگیں گا۔“  
ابن سعو شریعتِ محمدی کا سختی کے ساتھ پابند تھا اور لوگوں سے بھی اس کی پابندی کرواتا تھا۔ اس کے حرم میں ہمیشہ تین بیویاں ہی تھیں۔ جب جو چاہتا خالی جگہ کو پرکر لیتا، لیکن اس کے باوجود اپنی

بیویوں کے ساتھ اس کا سلوك جلد درجہ سا ویا ش تھا۔ کسی کو ذری بھی سمجھتے تھے۔ عشاہ کی نماز کے بعد وہ حرم میں جاتا اور سب سے سا ویا نہ طور پر نہ تھا۔

عام طور سے لوگ ابن سود پر عیاشی کا الازام دیتے ہیں، ایک علیلی ہے۔ بلاشبہ ابن سود نے کئی شادیاں کیں لیکن اس کے کئی وجود تھے اس نے مختلف قبائل کے سرداروں کی لڑکیوں سے اس پر عقد کیا اور ان سے تھقفات مصبوط ہو جائیں۔ عبد الوہاب کے خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کی غایت مذہبی پیشواؤں کو خوش کرنا تھا۔ اسی طرح اس کی شادیوں کی تعداد اور یادہ ہو گئی۔ طلاق کی تعداد بھی اسی کے لگ بھگت مہی پہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے سے عام بدلی پیدا ہو گئی ہو گئی لیکن عرب میں طلاق دینا کوئی مذموم فعل نہیں سمجھا جاتا بلکہ عرب ایں سو و کو اپنی لڑکی دینا فخر سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ مطلق عویلوں کے ساتھ اس کا سلوك ہپاٹت اچھا ہوتا تھا وہ نہ صرف ان کی روپی پریس سے ادا کر رکھ لے ان کے لیے اچھے خواہ ہر بھی فراہم کر دیتا تھا، اگر ان کے بیٹن سے کوئی اولاد ہوتی تو اس کی نگرانی کا ذمہ دار خود ہوتا تھا۔

اس طرح سے ابن سود نے کئی شادیاں کیں، کبھی اپنی خواستہ کی تکمیل کے لیے، کبھی قبائل سے اتحاد پیدا کرنے اور کبھی کسی غریب بگر شریف خاندان کو ترقی دینے کے واسطے۔ لیکن ان سب میں وہ جو ہرہ کو بہت چاہتا تھا، ترکی اور جوہرہ کی موت اس کے لیے ایک سانحہ ظیہم

تمی۔ ایک سال تک وہ اسی عمر و اندوہ میں بیٹکا رہا۔ محل میں اس نے جو ہرہ کے کروں کو بند کر دادا اور جہاں کی چیزوں وہیں رکھی تھیں۔ ان کروں میں سوٹے توڑی کے تھی دوسری حدود کو داغلہ کی اجازت نہ تھی۔ اب سود نے جو ہرہ کے ٹاٹوں اور فلاں کو لپٹنے پاس رکھ لیا۔ ان کے ساتھ اس کا برتاؤ اتنا عادہ تھا کہ وہ اپنی لکھ کا رنچ بھول گئے جسکے دن اب سود، فخر کی نمائی کے بعد، ریاض کے پڑے چہرستان کو خاتم کے لیے جاتا تھا جہاں جو ہرہ دفن تھی۔

۳

این سود کا غم ابھی پوری طرح غلط نہ ہونے پا یا تھا کہ اسے جنگ کے لیے فوراً تیار ہونا پڑا۔ حسین کا بیٹا، عبد آشہ خرمائی طرف پڑھ رہا تھا۔ اب سود نے اس وفد خرمائی طرف داری کا تھیہ کر لیا کیونکہ ستراو پر اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اب کی دفعہ خرمائی پر جعلہ ہرا تو وہ ان لوگوں کی تائید کر گیا۔ اس مرتبہ این سود کو دافتہ یا مقابلہ کے لیے زیادہ جدید کرنی پڑیں گے کیونکہ اہل عرب حسین کے سخت مخالف ہو گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس نے عرب کو انگریزوں کے ہاتھ بیج دیا ہے۔ اس لیے قابل جو ت در جو ت اس کی امداد کو آئنے گے۔

اب حسین اور اب سود دونوں ایک دوسرے کے مقابلے گئے۔ حسین نے مکالمہ کھلا جنگ کی تیاری شروع کر دی لیکن این سود نہیں خاموشی سے اپنا کام کرتا کیا تاکہ حسین مخالفت میں رہے۔ انگریزوں نے

عرب کے حالات پر غور کرنے کے لیے قاہرہ میں ایک کانفرنس منعقد کی  
حسین جنگ کے زمانہ میں ان کا یار و فادار تھا، مسلح کے زمانہ میں بھی  
وہ ویسا ہی رہا، انگریز اُبین سود کو اتنا اہم نہیں سمجھتے تھے، ان کے نزدیک  
اس کی حیثیت ایک با اثر شیخ کی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے خیال  
کیا کہ اُبین سود کو تشوین گن، رافل، انگریزی باقاعدہ فوج وغیرہ سے آسمانی  
کے ساتھ شکست دی جاسکتی ہے اس خیال سے کانفرنس نے حسین کو  
امداد دینے کا تصریح کیا اور ساتھ ہی اُبین سود کو حکم دیا کہ وہ والیں  
چلا جائے اور خرا حسین کو والیں کر دے ورنہ امداد بند کر دی جائیں۔  
اس تحلیمانہ انداز سے اُبین سود کی غیرت کو تھیں لگی، وہ محض اپنے  
 وعدہ کی بناء پر انگریزوں سے ملا ہوا تھا اور حسین پر حملہ نہیں کرنا  
چاہتا تھا حالانکہ ”الاخوان“، اس معاملہ میں اس سے بذلن بھی ہو گئے۔  
اب انگریزوں نے جو اس طرح کی دھمکی دی، تو اسے بھی غصہ آگیا۔  
اسے اپنے خدا پر کامل بھروسہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ خدا کی قوت سے  
بالا و برتر ہے اگر انگریزوں نے امداد روک دی تو کیا ہر جسے، خدا  
سبب الاصابب ہے، وہی مدد کر یگا۔

{ ۳ }

انگریزوں کی امداد کے ساتھ، عبد اللہ شد چار ہزار سپاہیوں کی  
باقاعدہ فوج اور دس ہزار بدویوں کے ساتھ، جدید آلات جریبے  
مسلح، خرا کی طرف بڑھا اور تراپ پر قیام کیا۔ اُبین سود نے بھی

ستق کے چشمیں کے پاس پڑا تو ڈال دیا۔ خدا کا عامل نوئی بھی اپنے پری پر کھڑا ہو گیا۔ خدا میں ”الاخوان“ بھرے پڑے تھے۔ مخبروں نے اطلاع دی کہ عبد اللہ تراہب کے تخلیقان میں بے فکری اور اطمینان سے پڑا ہوا ہے۔ میں کا آخری ہبینہ تھا، چاندنی بھی نہ تھی، نوئی نے اس موقع کو فیضت جان کر، اپنے الاخوان کی فوج کے ساتھ رات کی تاریکی میں دشمن پر حملہ کر دیا، سیاہی سور ہے تھے، عہدہ دار خیموں کے اندر آرام کر رہے تھے۔ الاخوان نے یک دم تلوار چلانی شروع کر دی۔ بد و منتشر ہو کر بھل گئے لگئے۔ الاخوان نے رانی، نشین گن، خیموں وغیرہ سب پر قبضہ کر لیا۔ عبد اللہ یہ حال دیکھ کر فواد اپنے خیمہ سے باہر نکلا اور اسی لباس سے گھوڑے پر بیٹھ کر کہہ کا رُخ کیا اور محل میں پہنچ کر سارا قصہ اپنے باپ کو سنایا۔  
حسین کی فوج کا خاتمہ ہو گیا۔

حسی ہی یہ خبر عام ہوئی طائف والوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ مکاس وقت بیرودی ممالک کے نبائرین سے بھرا ہوا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ بیچارے بد حواس ہو گئے اور جدہ کی طرف چل نکلے۔ دہبیوں اور الاخوان کا خوف تمام جمایزوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ حسین بڑے مغربو طاول کا آدمی تھا۔ اس نے عبد اللہ کو لعنت ملامت کی اور انگریزوں کو فوری امداد کے لیے لکھ دیجیا۔

ابن سعود نے اس دفعہ کچھ نہ کیا بلکہ اس کے بے قابو الاخوان

ہی نے دشمن کو مار جھکایا۔ وہ تھمت دادہ انداز میں تراہ میں داخل ہوا۔  
مک جانے میں اب اے کوئی چیز حاصل نہ تھی۔ حسین اور سارا حجاز  
اس کے رحم و کرم پر تھا۔

ابن سود اب کہ کامیخ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن حسین کا  
ایسا سے انگریزوں نے ابن سود کو واپس جانے کی دھمکی دی، چاہتا  
تو ابن سود فوراً اکہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیتا اور حسین کو شکست  
دے کر بدلہ لے سکتا۔ ججاز کی فتح اب اس کے لیے بھل نہ تھی۔  
الاخوان بھی سٹلے ہوئے تھے، مشیروں نے بھی یہی صلاح دیا لیکن  
ابن سود اب بہت سنجیدہ ہو گیا تھا، ایسے وقت میں عارضی فتح  
وہ کامرانی کے گھنڈ میں آپے سے باہر ہونا، اس کی طبیعت کے  
خلاف تھا، وہ واقعات پر تھنڈے دل سے غدر کرنے لگا اور  
اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وقت انگریزوں سے لڑائی مولیینی قرین  
مصلحت پیش کیونکہ ایک تو انگریز بردست تھے اور دوسرے  
جنگ عظیم میں انہوں نے فتح پاٹی تھی اور مشرق کے ایک بڑے  
جھٹ پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔

ان سب چیزوں کو اس نے لپٹنے لوگوں کے آگے پیش کیا اور  
سمجا یا کہ کافی مال غنیمت ہاتھ آچکا ہے، کوئی ہمہنگوں کی بے فکری  
ہو گئی ہے، ایسے میں خاموش رہنا ہی زیادہ مناسب ہے سیپوں  
نے اس کی صلاح کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد ابن سود نے خماسیں

---

---

اپنی ہموزی فوج چھوڑ دی اور عتبہ والوں سے اطاعت کا بچن لے کر  
ریاض کی طرف کوچ کیا اور ایک دوسری سورج میں پڑا گیا کہ ترک و تو  
عرب سے بخل ہے، اب انگریز اپنے قدم جا رہے ہیں۔

# گیارہواں بارہ

## حائل کی فتح اور سلطانِ نجد

۱۱

حسین کو شکست دینے کے بعد ابن سعود کے حوصلے بہت بلند ہو گئے، لیکن انگریزوں کا ہاتھ ایسا تھا کہ وہ ایک گہرے فکر میں پڑ گیا۔ انگریز بظاہر میسٹان پر قبضہ کرنا تو نہیں چاہتے لیکن اس پر حکومت کرنے کی نیت ضرور تھی اور اس لیے وہ حسین کے دوست بن کر عرب میں اپنے قدم جمارہ ہے تھے۔ ابن سعود ترکوں کا سرے سے مخالف تھا۔ وہ تو خیر چلے گئے لیکن اب انگریزوں کا سوال پچیدہ ہو گیا۔ کیونکہ ایک تو جنگ عظیم میں فتح یا ب ہونے سے ان کی قوت بڑھ گئی تھی اور دوسرے شام، فلسطین، ججاز، میان، عسیر اور حضرانی کے ہاتھ میں تھے۔ ابن سعود کو وسط عرب پر

حکمران تھا تاہم وہ متحی بھر آدمیوں کی بے قاعدہ فوج سے انگریزوں سے کیا مقابلہ کر سکتا؟ اسی یہ سخیگی سے اس نے مذہبیوں کی اور جہاں تک ہو سکے ان سے مل ٹاکر کام نکالنا ہی مناسب سمجھا۔

انگریزوں کے ہاتھ میں اب بہت سے وسیع مگر منتشر علاقے تھے۔ ان کے پاس اتنی فوج نہ تھی جو ہر مقام پرستیوں کی جا سکتی۔ نیز جنگ عظیم میں لڑتے لڑتے انگریزی فوج اتنگ آچکی تھی۔ اسے آسام کی ضرورت تھی۔ ایسی حالت میں انگریزوں کے لیے یہ وقت طلب مسئلہ بن گیا کہ آیا عرب کو اپنے قبصیوں رکھنے کے لیے فوج رکھی جائے یا کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کیا جائے کہ جس سے آسافی کے ساتھ مقصد بکھل آئے۔ انگریز مدبرین، عرب پر خواہ جوہ اپناروپیہ خرچ کرنا ہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے صلاح دی کشاں کی انقلابی انجمن کے سلسلہ میں ”عرب اتحاد“ قائم کر کے اس کی صدارت حسین کو دی جائے۔ حسین چونکہ جہاز کا والی ہے اور مسلمان لے سے عزت کی مگاہ سے دیکھتے ہیں، اس طرح سے ہمارا مسلمانوں پر اچھا اثر قائم ہو جائیگا اور اگر حسین کو خلیفہ بھی بنادیا گیا تو مہدستان کے مسلمان ہمارے ہاتھ میں آ جائیں گے۔

بادی النظری یا اسکیم بہت سادہ اور سو دمند معلوم ہوئی لیکن اصل میں یہ ایک ہوائی پل تھا، واقعات اس کے منافی تھے کیونکہ ”عرب اتحاد“ کا قیام سرے سے ناممکن تھا، ہو تو کیسے ہونے کوئی

عرب قویت ہی کا وجود تھا اور اہل عرب حسین کو اپنا سردار تسلیم کرنے تیار تھے۔ اس کے علاوہ حسین کے ترکوں میں تھی اور نہ آہد بہت ہی معمولی دل و دماغ کے انسان تھے البتہ عبد اللہ کسی قدر اہل تھا مگر رویہ کچھ مشتبہ۔ مزید برا آں حسین صرف زمانہ ساز تھا، گو بہا و رسمی مگر "عرب اتحاد" کے بوجہ کو سنبھالنا اس کے امکان سے باہر تھا۔ اب رہای خیال کہ ہندوستان کے مسلمان حسین کی حکومت سے خوش بھگتی تو یہ بھی ناممکن تھا، دنیاوی عیش و آرام اور حکومت کی خاطر انگریزوں سے مل کر ترکوں کا یعنی برا دا ان اسلام کا خون بہانہ، ایک ایسا افضل تھا جسے کسی خط کے مسلمان بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔

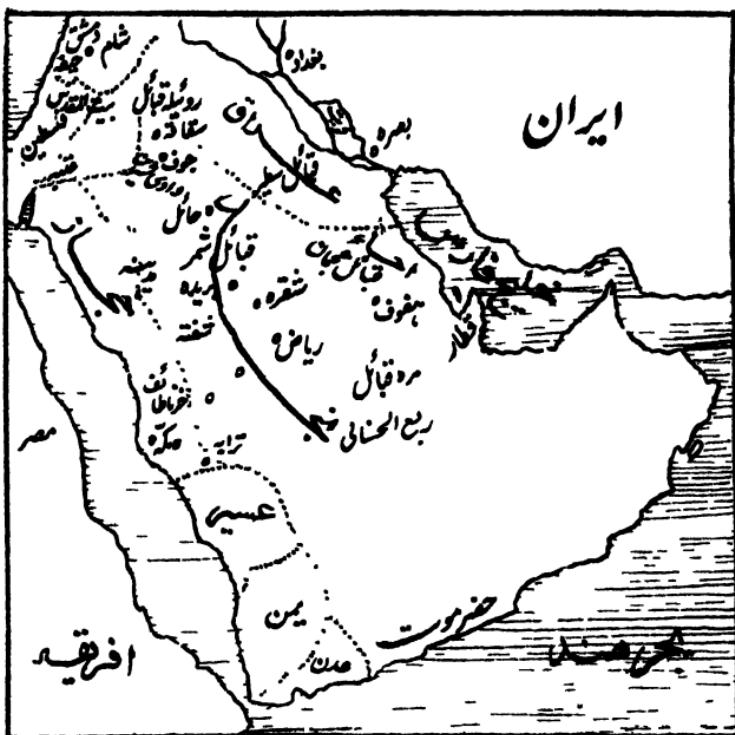
اگریز مدبرین نے ان حالات پر بہت خور و خوض کیا۔ اور اکثر وہ اس اسکیم کی مخالفت کی اور اپنے اصولی استدلال پیش کیے۔ لیکن کرنل فی، ای لارنس اس اسکیم کی موافقت میں تھا اور اسے قابل عمل تصور کرتا تھا۔ سینٹ جان فلپی عرب کے حالات اور بالخصوص ابن حود کی اہمیت سے واقف تھا۔ اس نے اس اسکیم کی سرے سے مخالفت کی لیکن فی۔ ای لارنس نے ایک نیکا اگریزوں کو لارنس پر بہت کچھ پھر و سہ تھا، انہوں نے "عرب اتحاد" کے قیام کا نقصانیہ کر لیا۔

ابن سود اس وقت ریاض میں تھا۔ یہ اطلاع میں جب اس کے کافوں تک پہنچیں تو اس نے دمشق میں اپنے نمایندے بھیجے تاکہ وہ صحیح واقعات سے مطلع کریں۔

ابن سود کو اطلاع میں کہ ابن رشید، حسین اور سلیم سبکے سب انگریزوں سے امداد لے کر اس پر ٹوٹ پڑنے والے ہیں۔ انگریزوں کی ایسا سے فیصل دمشق کا حکمران بھی مقرر ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر ابن سود نے انگریزوں سے دریافت کیا کہ آیا وہ اب پہلے کی طرح اس کے دوست ہیں یا نہیں۔ انگریزوں نے ۱۹۲۷ء کے او اخیر میں بعد اد کے ہائی لکشن سر پرسی کاکس (Sir Percy Cox) کو ابن سود کے پاس روانہ کیا۔ عجیر پر ان دونوں کی ملاقات ہوئی تکین اس سے ابن سود کو کچھ تشقی نہ ہوئی۔

اب ابن سود کے طرف دشمن ہی دشمن تھے۔ احسار کے علاوہ تمام ساحلی علاقوں کے ہاتھ میں تھے۔ ابن سود چاہتا تھا کہ دشمنوں کے اس جھٹکے کو تورڑے اور یہ اس کے لیے کچھ زیادہ جعل بھی نہ تھا لیکن بڑی دقت یقینی کہ ان تینوں میں ابن سود جس کسی سے لڑتا آنگریز اس کا ساتھ دیتے اور یہ انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکتا۔ ایسے نازک وقت میں اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس کے ہوش پر ان ہو جاتے اور چنکے سے وہ بھی انگریزوں کے سایہ عاطفت میں آ جاتا۔

لیکن ان پر بیشان کن حالات کے باوجود ابن سعید کے ہاتھ سے استقلال کی بگ نہ چھوٹی۔ وہ ہر ناکامی کو کامیابی کا پیش خیبر اور ہر مصیبت کو راحت کی منادی سمجھتا تھا!



(۳)

ابن سعید واقعی قسمت کا دھنی تھا۔ اسے خدا پر کامل بھروسہ تھا اور ہر مصیبت اور راحت میں وہ خدا کی یاد کو دل کو نہ بھلانا تھا۔

خدانے آئے وقتوں پاس کی امداد کی اور وہ کامیاب بھی رہا۔ چنانچہ جب ہر طرف سے اسے مایوسی ہو گئی تو ۱۹۲۶ء میں اسے یک بہترین موقع ہاتھ آیا۔ اس کے حریفوں میں سب سے زیادہ کمزور حالت رشیدیوں کی تھی ابن سود نے بنی شمر کے پاس اپنے ملا اور بیان روٹ کیے کہ ان کو رشید کے خلاف اکسایا جائے۔ یہ نہیں پیشوائیں ایت جو اس کے ساتھ بلا خوف و خطر تبلیغ کرنے لگے۔ شمری ان پر اعتقاد لا کر ساتھ ہو گئے۔ اور اس طرح شمریوں کی قوت بٹ گئی۔ اس اثناء میں ابن رشید کا بھی انتقال ہو گیا اور اس کے ورثاء اقتدار و حکومت کے لیے ایک دوسرے کا گلا گھوٹنے لگے۔ اور رشیدیوں کا یہ حشر ہوا اور ادھر سلیم کا انتقال بھی ہو گیا۔ اس کا رہا کا احمد بال نا اہل تھا۔ یہ سب باقی ابن سود کے حق میں مفید ثابت ہوئیں اور اسے اپنے اقتدار کے دائرہ کو وسیع کرنے کا کافی موقع مل گیا۔ بنی شمر میں اب دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک ابن سود کے موقن اور دوسرا خلاف۔ مخالف گروہ نے حسین سے امداد کی و خواست کی۔ لیکن حسین خود اپنے معاملات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس طرف توجہ نہ دے سکا۔ وہ انگریزوں کے پرستے پر کو درہ انتہا لیکن انگریز خود اپنے معاملات میں اس قدر سرگردان تھے کہ اپنی کچھ دیر کے لیے حسین پر سے اپنی توجہ ہٹا لیتی پڑی۔ عراق میں بناؤتیں ہو رہی تھیں، مصر اور ہندوستان میں ایک ہڑبوگ

چھی ہوئی تھی۔ یہ واقعات انگریزوں کے لیے بہت زیادہ اہم تھے اور ان کی توجہ فی الوقت انہی پر مرکوز تھی۔

اندھا کیا چاہیے؟ دو آنکھیں۔ ابن سعوڈ کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا؟ میدان خالی تھا۔ ابن سعوڈ نے جنگ کا اعلان کر دیا اور دویش کی محیت میں دو ہزار "الاخوان" کو قبیلہ شر پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا، الاخوان کی ایک اور جماعت گو دیگر قبائل کی فرائی کے لیے بھیجا۔ سب لوگ خوشی خوشی جمع ہونے لگئے، انہیں اونٹ اور ہتھیار تقسیم کر دیے گئے۔

جب ابن سعوڈ روانگی کے لیے پوری طرح تیار ہو گیا تو اسے اطلاع ملی کہ بنی شمر نے الاخوان کا جوانمردانہ مقابلہ کیا اور دویش کو انہیں شکست دینے میں بڑی وقت اٹھانی پڑی۔ اس لڑائی میں بریہ کا عامل قہد اور اس کے بہت سے ساچھی مارے گئے۔ یہ سن کر ابن سعوڈ اپنی فوج کو بہت تیزی کے ساتھ تیار ہونے کا حکم دیا اور جب سب فوج تیار ہو چکی تو دوسرے ہی دن صبح کو ابن سعوڈ کا قافلہ روانہ ہوا۔ ریاض کا علمبردار مطیف سب سے سامنے ابن سعوڈ کا سبز و سفید جھنڈا لیے ہوا تھا۔ اسی کے پیچے ابن سعوڈ اپنے زبردست اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے پیچے اس کا ۱۹ سالہ لڑکا سعوڈ تھا۔ اطراف میں سجد کے ایک ہزار جنگجو محافظ دستے کے طور پر ان کے ہمراہ تھے۔ سید حسی جانب الاخوان اور

بائیں جانب دو اسیر۔ ان کے پیچے شہریوں اور دیہاتیوں کا ایک جمجم فیفر اپنے اپنے سرداروں کی سر کر دگی میں جزیہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

قبیلہ شمر کے لوگ بلاشبہ ٹڑے بہادر اور جنگجو تھے لیکن ان کا کوئی مستقل رہبر نہ تھا جس کی وجہ سے وہ باقاعدہ حملہ سے بھروسہ تھے حسین اور فیصل نے اس موقع پر ان کی فدی بھی مدد نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت ابن سعود حاصل پہنچا کسی نے اس کی مدافعت نہ کی انہوں شہر میں بلا کھلکھلے داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے حاصل میں ایک فوجی دستہ چھوڑ دیا اور خود شمری قبائل کو مزہ مکھانے کے لیے آگے کی طرف روانہ ہوا۔ شمری قبائل کے بعض لوگوں نے اس کی ملاععت قبول کر لی اور اکثر عراق کی طرف بھاگ نکلے۔ جن لوگوں نے اس کی حکومت تسلیم کی ان کے ساتھ ابن سعود نے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ رشیدی خاندان کے پساندوں کو ریاض بھیج دیا اور وہاں ان کے رہنے کے لیے مکان اور کام کا جگہ کے لیے فلام دیئے۔ ابن رشید کی بیوہ سے خود عقد کر لیا۔ اس کے پھول کی پروردش بھی اپنے ذمہ کر لی اور اس طرح رشیدی خاندان سے رشتہ جوڑ لیا۔

ابن سعود کی یہ کامیابی بہت ہی شاندار تھی۔ اس سے اس کی شخصیت مسلم ہو گئی، دشمنوں پر اچھا اثر بیٹھا اور انگریزوں نے بھی

اے محبوں کیا۔ جب ابن سعود ریاض واپس آیا تو عبدالرحمٰن مبارکباد دینے کے لیے شہر سے باہر آیا۔ تمام شہری اس کے پیچھے تھے۔ عبدالرحمٰن پھولوں نہیں سمارہ تھا کیونکہ ایک مدت کے بعد اس کی دلی تمنا آج پوری ہوئی تھی۔ رشیدی خاندان کو شکست دے کر حال پر حکومت کرنا، عبدالرحمٰن کی انتہائی آرزو تھی۔ اور آج اس کے سعادتمند رڑکے نے باپ کی خواہش پوری کی تھی پھر وہ کیوں اس پر نازدیک نہ ہو؟

دوسرے دن ایک شاہی دربار ہوا۔ علماء، قبیلوں کے سردار اور دیگر اکا بر سلطنت جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے اس جلسے کی صدارت کی اور ابن سعود کو

سُلْطَانِ بُخَدا

کا خطاب دیا۔

# بازہوال باب

## مکہ کی نکتہ

۱۱

حائل کے شمال میں شام اور فلسطین کی سرحد تک عظیم الشان  
کھلے میدان پڑے ہیں۔ یہ میدان قبائل شمر اور روئیل کے زیرِ نظر  
تھے اور وہیں وہ اپنے جانور چرایا کرتے تھے۔ ان میدانوں کے وسط  
میں، ریاض سے کوئی سات سو میل شمال کی طرف جوف اور سقاۃ  
کے سر بیز و شاداب نخلستان ہیں۔ ان کے پہلوؤں سے وادیٰ  
شیریں گندتی ہے۔ اس وادی کی لمبائی دھائی سو میل کے قریب ہے  
اور اس کے اطراف کئی چھوٹے بڑے گاؤں آباد ہیں۔  
ابن سود نے اپنے لوگوں کو ان میدانوں کی طرف روانہ کیا۔  
اس کے فرستادہ ملا اہل قبائل کو اپنا معتقد بناسہ ہے تھے اور

الاخوان جوش میں آ آ کر آگے کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ قبائل روئیا نے کچھ بھی مخالفت نہیں کی کیونکہ ان کا کوئی سردار نہ تھا، فوری سپیلان بوڑھا ہو گیا تھا اور دشمن جا کر فرانسیسیوں کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگی کے بقیہ دن گذار رہا تھا۔ البتہ اس نے اپنے پوتے کو الاخوان کی مقابلہ کے لیے بھیجا جو پیپا ہوکر واپس چلا گیا۔ جوف اور شفاقد کے عاملوں نے جب یہ حالت دیکھی تو چکے سے ابن سعود کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے گاؤں نے بھی ابن سعود کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ اس طرح سے الاخوان اپنی فتوحات کا عالم بلند کرتے ہوئے افغانستان کی سرحد کے قریب پہنچ گئے۔ اب تو ان حالات کو دیکھ کر انگریزوں کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔ جوف اصل میں شمالی ریاستان کی کنجی تھی۔ یہی بدویوں کا مرکز تھا، مصر، بغداد اور شام و خلیج فارس کے درمیان یہی ایک عدہ رستہ تھا اور یہ ایسا مرکزی مقام تھا کہ جس کسی کی وادی شیریں پر حکومت ہوتی وہ شام، فلسطین اور شرق اردن پر اطمینان سے دباؤ ڈال سکتا تھا۔

اگریز سمجھ گئے کہ ابن سعود ان کے لیے خطرناک ہوتا جا رہا ہے اور اگر اب بھی اسے نہ روکا گیا تو یقیناً اس کا دائرہ اثر وسیع تر ہو جائیگا۔ انگریزوں نے اس غرض سے فوراً ابن سعود سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اسے کافرنس میں آنے کی دعوت دی۔

ابن سعود کے مشیر الاخوان کی طرح جو شیئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں کے لئے ملنا ملانا فضول ہے انگریز کچھ نہیں کر سکتے۔ ترک اور افغان ان پر چڑھائی کر رہے ہیں، ہندوستان میں بھی بادامی پھیلی ہوئی ہے اور خود افغانستان خانہ جنگیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں انگریزوں سے ڈر نہ کی کوئی وجہ نہیں۔

بہبُس سُنی سنائی خبریں تھیں۔ ابن سعود کے مشیر اور الاخوانی جوش میں آ کر معاملہ فہمی اور سنجیدگی سے دُور ہو گئے تھے۔ لیکن ابن سعود اب ایک بڑا مدیر اور سیاسی ہو گیا تھا۔ وہ ان حالات کو سب سے بہتر جانتا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ انگریزوں کی قوت اب بھی ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی، اور یہ کہنا کہ انگریز کمزور ہو رہے ہیں، ایک بے بنیاد حقیقت معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے ابن سعود نے انگریزوں سے گفت و شنید کرنے کا تہیہ کر لیا اور کانفرنس میں اپنے نمایاں تر بھی روانہ کیے۔

ابھی گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ کوئی ڈیڑھ میڑ اخوانی نوجوان ابن سعود کو اطلاع دیے بغیر خقرہ سے بخلے اور حال ہوتے ہوئے شمال میں کوئی ایک مہاریل تک آگے بخل گئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے شہر تورپ کو لوٹ لیا اور عدوں کو مردوں پورٹھوں، پچھوں سب کو ایک ساتھ قتل کر دا لا۔ ان کا یہ طرزِ عمل ریکیتاتی جنگ کے خلاف تھا کیونکہ جنگ صرف جنگجوؤں کے لیے

ہے نہ کہ سب کے لیے۔ لیکن الاخوانی ذمہ بکے انہی تھے چونکہ قریبی  
ان کے عقائد کے خلاف تھے اس لیے یہ بھی قدیم دستور اور رسیمات  
کو بالائے طاق رکھ کر جو بھی میں آئی کر گذرے۔

لیکن جبی ہی یہ خبر بھی شاکر کو ملی تو یہ لوگ الاخوان جاافت  
پر ٹوٹ چڑے اور عمان سے بھی انگریزی فوج موڑ لاریوں میں جو بھر  
آئے گئی۔ اسی اثنامیں طیارے بھی آئی پہنچ۔ غرض ایک بیکامہ پر پا  
ہو گیا جس میں کوئی ایک ہزار کے قریب الاخوانی تعداد اجل ہو گئے۔ اور  
پہنچ سو جو نیچ رہے تھے انہیں بنی شاکرنے بے آب و دانہ ہلاک  
کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان جو شیلے نادافوں میں سے صرف آٹھ آدمی  
نک آئے۔

۳۱

الاخوان کی اس جاہلیانہ حرکت سے ابن سعود سخت ناراض  
ہوا۔ وہ ہمیشہ انہیں سمجھا تھا کہ جوش کی حالت میں دورانہ لشی  
کے وہن کو ہاتھ سے چھوڑنا سراسر حاافت ہے۔ اب اہل قبائل نے  
پہلی دفعہ یہ تسلیم کیا کہ واقعی ابن سعود بہت ہی معاملہ فہم اور صاحب الحکم  
ہے۔ ابن سعود نے ان آٹھ پہنچوں کو سخت سزا دی تاکہ وہ فوج  
کو پھر بھی ایسی جرأت کرنے کی ہمت نہ ہو۔

اس معاملہ کی کیسوں کے لیے ابن سعود نے سرپری کا کس  
(percy cox) کو مجبور پر ملنے کی دعوت دی۔ کاکس اور

ابن سود میں قد و قامت اور کردار کے محاذ سے ایک گزہ مشاہد  
تھی۔ ابن سود سنتا بہت اور کہتا کم تھا۔ پھر کا کس کا بھی حال تھا۔  
دونوں اپنا اپنی الفہریت بیان کرنے میں حد درجہ مختاط تھے۔

کاکسٹر نے ابن سود کے آگے سرحد کے تعین کا مسئلہ پیش کیا۔  
ترکی حکومت کے زمانہ میں سرحد کا کوئی تعین نہ تھا، ہر شخص کو اختیار تھا  
کہ جہاں چاہے اپنے چانور چڑائے، اور جن چشمتوں کا چاہے اپنی استھان  
کرے۔ لیے وسیع ریاستان میں سرحد کی حدود کا قائم کرنا بہت  
دققت طلب تھا لیکن کاکسٹر نے اس پر بہت زور دے کر اسے  
قابل عمل تبلایا۔ لیکن ابن سود نے سمجھا یا کہ ایسی حدود عرب کے ریاستاں  
میں بے معنی ہیں کیونکہ قبائل اس کی نزدی بھی پرواہ نہ کر سکتے۔

ابن سود جانتا تھا کہ اس طرح کی حد بندی ہو جائے تو وہ ہر طرف  
سے دشمنوں کے نرغے میں ہو گا۔ بہر حال کئی دن تک ابن سود  
اور کاکسٹر کے درمیان اس مسئلہ پر بحث ہوتی رہی اور آخر میں  
یہ ملے پا یا کہ حائل، شمر اور جوف پر ابن سود کی حکومت رہیگی اور  
امن قائم رکھنے کے صلے میں انگریزوں کی طرف سے اسے کچھ سونا  
ماہوار دیا جائیگا۔ ساتھ ہی اس تک بخدا اور عراق کے درمیان  
سرحد قائم کر دی گئی اور دونوں سرحدوں کے درمیان کچھ حصہ  
مشترکہ طور پر چھوڑ دیا گیا کہ جانشین اس سے استفادہ کر سکیں۔  
علاوہ ازیں یہ بھی تصفیہ ہوا کہ سرحد کے قریب یا چشمتوں کے

پاس کوئی قلعہ تعمیر نہیں کیا جائیگا۔

( ۳ )

تصفیہ تو ہو گیا لیکن ابن سعود کو اس سے کچھ تشفی نہیں ہوئی بلکہ وہاں سے وہ بہت کچھ افسر دہ والیں آیا۔ اسے بے حد خفہ آیا اور وہ چاہتا تھا کہ ایک دم انگریزوں پر ٹوٹ پڑے لیکن تیجہ پر نظر ڈالتے ہوئے خاموش رہ گیا۔ اس نے اپنے ایک دوست کے ہدایت کیوں، انگریز جو چاہتے ہیں انہیں مل جاتا ہے اور ہم جب کچھ چاہتے ہیں تو اس کے لیے لڑائی کرنی پڑتی ہے؟ اہل قبائل کا بھی یہی حال تھا۔ بالخصوص قبیلہ مطیر کے لوگ بہت بے صین تھے۔ لطف یہ تھا کہ انگریز اور اہل ابن سعود کو خاموش رہنے کے لیے کہتے اور جب اور جب اہل اس کے دشمن اس پر حملہ یا ظلم کرتے تو وہ انہماں رہ جاتے تھے۔ چنانچہ بنی شمر کے جن لوگوں نے بعد اوس پناہ لی تھی، فیصل نے انہیں سہیار دے کر سجد پر دھاوا بولنے کی اجازت دے دی۔ عبد اللہ نے دادی شیریں میں اپنی فوجیں روانہ کر کے چند گاؤں پر قبضہ کر لیا، حسین نے حرب اور عتبہ والوں کو دھکیاں دیں۔

الاخوان حدود رجہ جوش میں تھے۔ صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً عراق میں جو شمری پناہ گزیں تھے ان پر حملہ کر کے بدالہ لے لیا اور شمال کی طرف دادی شیریں کی

بڑھ کر حسین اور شریف کہ پر حملہ کا مطالبہ کرنے لگے۔ تمام قبائل اسی طرح غضیناک ہوتے جا رہے تھے اور ابن سعود بھی اپنے آپ پیچ و تاب کھارہ تھا اور ”گیم مشکل و گرنے گویم مشکل“ کی احتجان ہیں پڑھو۔ انگریزوں نے پھر سے ایک مرتبہ ابن سعود کو سمجھوتہ کے لئے دعوت دی۔ لیکن اس دفعہ کا تسلیم کی عدم موجودگی کے باعث، دوسرے انگریز نمائندے ابن سعود سے کچھ طے نہ کر سکے اس لیے کہ وہ ابن سعود کی حقیقی حیثیت اور اس کے اثر سے ناواقف تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ محض ریاض کا امیر ہے حالانکہ وہ بندگا سلطان اور وسط عرب کا والی تھا۔ انگریزی نمائندوں کا برتاؤ ابن سعود کے ساتھ کچھ ٹھیک نہیں رہا جس سے ابن سعود ایک سچے عرب کی طرح بھڑک اٹھا۔ اب اسے روکنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

”ہاں“ اس نے کہا ”یہ سچ ہے کہ میں انگریزوں کا دوست ہوں لیکن ان کا ساتھ صرف اس حد تک دے سکتا ہوں جس تک کہ مجھے میراندہ ہے اور میرا مرتبہ اجازت دے سکتا ہے۔“ پھر بھی ابن سعود نے خود قبٹی سے کام لیا اور صرف موقع کا منتظر تھا۔ ناممکن کے آگے سرمازنا اس کی زندگی کا اصول نہ تھا۔

— ۳ —

ابھی کافر نس ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ خبر آئی کہ حسین نے خدا اور تر آبہ پر حملہ کر کے ان دونوں شہروں پر قبضہ جا لیا ہے،

اور عبد اللہ اور فیصل اپنی اپنی فوجیں لے کر اس کی امداد کو آچکے ہیں۔ اور اب بند پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ سن کر ابن سعود آپ سے باہر ہو گیا اور سارا بند غصہ سے الگ ہو گیا۔ چاہے کچھ ہی ہو، حتمی نہیں یا بُوقُتی، اب کی دفعہ تو وہ حسین پر حملہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن اسے بُقْتی کہیے کہ ان دونوں ابن سعود کے چہرے پر سُرخ بادہ کی علامات ظاہر ہوئے تھیں اور وہ اسی سلسلے میں اتنا سخت ٹلیل ہوا کہ صرف ڈھانچہ باتی رہ گیا۔ اپنے بُتر سے حرکت کرنا تک اسے بار تھا۔ آخر کار اس کا بخار کم ہوا اور سُرخ بادہ کے زہر یہی اثرات کم ہو گئے لیکن ساتھ ہی اس کے اس کی بائیں آنکھ درد دینے لگی۔ اور چند دنوں میں بصارت جاتی رہی۔ مقامی ڈاکٹر سے علاج کرایا تھا لیکن بے سود۔ پھر شامی ڈاکٹر کو بیایا، اس کے علاج سے کچھ افافتہ تو ہوا لیکن بصارت نہ آئی۔ آخر میں ایک مصری ڈاکٹر سے آپریشن کرایا گیا جس سے بصارت ہو دکر آئی۔

بیماری کے زمانے میں ابن سعود اپنے دشمنوں کی حرکات و سکنیات سے بے خبر نہیں رہا اور حتی الوض کچھ نہ کچھ کام بھی کیا کرتا تھا۔ لیکن ابن سعود کی قسمت زور دار تھی۔ جب کبھی حالات اس کے خلاف ہوئے قدرتی طور پر اس کی امداد کے وسائل بھم پہنچ گئے۔ چنانچہ خرما اور ترابہ کے باشندوں نے حسین کی شدید مخالفت کی اور اس کی فوج پر حملہ کر کے اسے ارجو گکا یا۔ عام طور پر

وگ حسین، شریف کمک کے برتاؤ سے نالاں تھے، انہیں شکایت تھی کہ حسین خود مختار حکمراں ہے۔ سب کام پنے ماتحتین سے کر آتا اور اپنی جیب بھرتا ہے۔ ہمہ داروں کی تحریکاں ہیں اس لیے گھٹاڈی گئی ہیں کہ وہ رشوت سے اس کی تکمیل کر لیں۔ نیز وہ اس بات کے بھی شاکی تھے کہ حسین ملکی فلاں و بیسود کے معاملہ میں کسی نیک اور مفید شورہ کو سننا گوارا ہیں کرتا بلکہ اگر کوئی اس قسم کی جراحت کرتا تو اسے قید خانہ کی ہو اکھلا دی جاتی۔ اس سے جماڑ کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ آمدی کا شیر حصہ شریف کی جیب خاص میں جاتا۔ قربانی کے بچروں کا ٹھیک رہی نے لے رکھا تھا۔ بدلوں سے سستے دام بکرے خرید لیے جاتے اور حاجیوں کو خاصے دام لے کر فروخت کیے جاتے۔ حاجیوں سے باوجود اس کے کہ کثیر فستم لی جاتی تھی لیکن ان کی آسائش اور جان کی خانہت کی کوئی فہمہ دار نہیں ہیں لی جاتی تھی۔ بالخصوص جاؤا کے غریب حاجی ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں بھوک پیاس کا شکار ہوتے تھے۔

اس بد انتظامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاجیوں کی تعداد میں کی ہو گئی اور اہل جماڑ کو جو تھوڑی بہت آمدی ہوتی تھی، وہ بہت کچھ گھٹ گئی۔ نہ صرف یہی بلکہ اہل جماڑ پر بہت سے نئے نئے ٹنکیں لگائے گئے اگریزوں کی اولاد کے بند ہو جانے کی وجہ سے حسین نے اپنی آمدی کے برقرار رکھنے کے لیے اہل ملک اور جماڑ سے اس کی تلافی

کملی چاہتا تھا۔

تمام چہار حصین سے نالاں تھا، خداوس کے ملائم اور سپاہی اس سے بدقسم ہو گئے تھے۔ وہ ترکوں کا نہاد یاد کرنے کے جبکہ جاہی کثیر تعداد میں آتے اور دل کھول کر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اس نہادیں اہل کردیتہ پر نلم کو ٹیکس نہ تھا بلکہ لٹھے حاجیوں سے انہیں بہت کچھ مل جاتا تھا۔ لیکن حسین کا بر تاروں کے حق میں مضر ثابت ہوا اور وہ اس کی حکومت سے بیزار آگئے۔

یہ تو گھر کی حالت تھی۔ بیرونی ممالک بھی حسین سے اسی طرح بذلن ہو گئے تھے۔ حسین کے بر تاروں سے مصر، ترک، ہندوستان غرض ہر جگہ کے مسلمان تک آگئے تھے، حسین کو ان سب بدلوں کی امدادع تھی لیکن اس کے مل جو دن بلا د عرب کی شہنشاہیت کا جنون اور بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا فرستادہ جتنا کر اس کے شہوت میں کلام پاک کی آئیں تلاحت کرنے لگا جس پر عالمی دنیلے خوب مضمکہ اڑایا۔

اسی جوشِ جوں میں حسین نے اگریزوں سے بھی مخالفت پیدا کر لی اور ان سے ان تمام معاملات کی تکمیل کا مطالبہ کیا جو جنگ عظیم کے نہاد میں ہوئے تھے۔ وہ خود کو ملک عرب کا شہنشاہ تسلیم کرواناً اللہ شام سے فرانسیسیوں اور فلسطینیوں سے غیر ملکی یہودیوں کو خال باہر کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے شام اور فلسطین کے

عربوں کو بھڑکایا اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کے خلاف انہیں امداد دیتے کا بھی وعدہ کیا۔

انگریزوں نے معاملہ کا سمجھوتہ کرنے کے لیے کرنل لارنس کو حسین کے پاس روانہ کیا کہ وہ حسین کو یہ بات سمجھائے کہ انگریزوں صلح نامہ و لیزیر پر مستخط کر دے تو انگریز ہر بیرونی حلقے کے خلاف اس کو مدد دیجئے اور خواہ وہ حلقہ ابن سودہ کی طرف سے کیوں نہ ہو۔ لارنس نے حسین کو اپنے خالات کا ہم نوا بنانے کی ممکنہ کوشش کی لیکن تین نے ایک نہ مانی بلکہ یہ کہہ دیا کہ

”بہ جائے اس کے کہ میرے کندھے انگریزوں کے غیر ملکی جوے سے دبے رہیں۔ یہ ممکن ہے کہ سر زمین عرب پر مطعون ابن سود کی حکومت کو تسلیم کر لوں“

۲۲۹۶ء میں انگریزوں نے پھر سے ایک مرتبہ مصالحت کی توشی کی مگر حسین اپنی بات پر بجا رہا۔ ضیافت الغری کے باعث استدلال اور فیصلہ کی توقیں اس سے مفقود ہوتی جا رہی تھیں۔

اس زمانہ میں انگریزوں کو بھی چین نصیب نہ تھا۔ اگرچہ انگریز جنگ عظیم میں کامران سے تاہم جگلی اخراجات اس قدر عائد ہو چکے تھے کہ مالیہ کو سنبھالانا ایک اہم ترین کام ہو گیا تھا۔ جب خود ملکی اخراجات کا سوال معرض بحث میں آجائے تو ایسی صورت میں پریم ممالک پر اپناروپیہ خرچ کرنا ان کے لیے محال اور ناممکن تھا۔

مالی مشکلات کے علاوہ بہت کچھ سیاسی پیغام بھی پڑی ہوئی تھیں جو ہر بڑی جنگ کا لازمی تھے ہیں۔ فرانسیسی حکومت سے تعلقات صاف نہیں تھے۔ آئرلینڈ میں مخالفتیں بھی رہی تھیں، ہندستان میں ایک بھل مچی ہوئی تھی، افغانی بھی کچھ جنگ کے لیے تسلی ہوئے نظر آرہے تھے۔ مصر اور عراق میں بھی جعلہ کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ترک موصل پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات کی تحت امگریز حسین کے ساتھ جب گرد کے اپناروپیہ خرچ کرنا اور جنگ عظیم کے تحکمے ماندے سپاہیوں کا روانہ کرنا قریب مصلحت نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے فی الحال اس مسئلہ کو آئندہ کے لیے اٹھار کھنہ ہی مناسب تصور کیا۔

اس زمانہ میں ابن سود نے حسین پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ حسین کے بیٹوں، فیصل اور عبد اللہ نے باپ کو بہتیرا بھجا یا کہ وقت نازک ہے، امگریزوں سے مل کر کام کرنا ہی مناسب ہو گا۔ لیکن یہ بات حسین کی سمجھ میں نہ آتی اور وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ فیصل اور عبد اللہ نے امگریزوں سے درخواست کی کہ وہ ابن سود کو حملہ سے روکیں۔ لیکن اب امگریز اس جگہ میں پڑنا نہیں چاہتے تھے انہوں نے صاف کہدیا۔

”حسین اور ابن سود دونوں ہمارے حلیف اور خود مختار حکمران ہیں۔ اگر یہ دونوں ایک دوسرے سے راضی نہیں تو خود انہیں

اپنے اختلافات دور کر لینے چاہئیں۔ ہم مداخلت کرنا نہیں چاہتے۔  
 اس اثناء میں ابن سعود کو پوری صحت ہو گئی اور اس نے حسین  
 پر حملہ کرنے کی باقاعدہ تیاری شروع کر دی۔ حرب، عقیبہ اور جماز  
 میں اپنے ماؤں کو روانہ کیا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو حسین کے خلاف  
 آکر اسیں اس سلسلہ میں انہیں کچھ زیادہ وقت اٹھانی نہیں پڑی کیونکہ  
 ماحول پہلے ہی سے حسین کے خلاف ہو چکا تھا۔ ابن سعود نے اپنی  
 مقبولیت کے لیے بیرونی مالک سے بھی تعلقات اچھے رکھے۔ فرمی  
 اس کے مخالف تھے، مصر اور بندوں تان کے سلطان بھی اسے پسند  
 کرنے لگے تھے، انگریزوں کو بھی اس کے خلاف حرف شکایت زبان  
 لانے کی گنجائش تھی کیونکہ عراق اور شرق اردن میں اگر سعودی کچھ  
 گرو بڑھاتے تو ابن سعود ان کو سزا دیتا اور ایسی بد عنوانیوں کو روکتا  
 رہتا تھا۔

۱۹۲۹ء کے اوائل میں حسین اپنے لڑکے عبداللہ کے پاس  
 شرق اردن گیا اور اس شہر پر اپنا قبضہ کر کے اسے والسرائی بنادیا۔  
 کیونکہ وہ اب انگریزوں کا قبضہ نہیں چاہتا تھا۔ اس زمانہ میں  
 ستمبر ماہ ۱۹۲۹ء کو ترکی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ ساتھ ہی حسین نے  
 خود کے خلیفۃ المسلمين ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ خبر ہوا کی طرح  
 عام ہو گئی۔ اور تمام اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ابن سعود  
 کے لیے یہ بہترین موقع تھا۔ وہ ہدیثہ موقع کا منتظر ہا۔

ابن سعوں بہت ہی بلند اور وسیع خیال کا انسان تھا۔ مغلسی اور بیوار و مددگاری کے زمانہ میں بھی وہ کویت کی گلیوں میں دوست احباب کے ساتھ اپنے شاند ارستقبل کے متعلق ڈینگیں مارکرتا تھا، لوگ اس پر منہستے اور تھقہہ لگاتے اور اسے خوب بناتے تھے لیکن اس سے اس کے متقل ارادے متزلزل ہونے نہ پائے۔ اسے خود اپنے اور اپنے لوگوں پر کافی سے زیادہ اعتماد تھا اور اسے یقین تھا کہ عربوں میں تنظیم کی صلاحیت ہے بشرطیکہ ان کی مناسب رہبری کی جائے۔ اسے سارے عرب پر حکومت کرنے کی دُھن تھی اور اسی دُھن میں وہ توپوں کے منہ پر ہزار ہا سپا ہسیوں کا مقابلہ کرنے سے بھی یقین ہیں ہٹا۔ خدا کا خوف ہمیشہ اس کے دل پر رہا۔ وہ مسلمانوں کو متعدد کر کے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ "الاخوان" اس کے خیالات کا ایک عملی نمونہ تھا۔

ابن سعوں کے دشمن اس کے مقاصد سے متعلق شکوک رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ مذہب کی آڑ میں دنیا داری کر رہا ہے اور مذہب کو اپنا حریب آئے کار بنا رکھا ہے۔ حتیٰ کہ ریاض کے بعض علماء بھی ابھی تک اس کے متعلق شک کرتے تھے تاہم کسی کو اس کے خلاف منہ ہلانے کی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ مذہبی احکامات کی پابندی میں وہ علماء سے کسی طرح کم نہ تھا۔ پانچ وقت کی مناز

مسجد میں ادا کرنا، شراب و متاب کو سے اجتناب کرنا، روزے رکھنا،  
خیرات دینا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا ۔ ۔ ۔ یہ سب اس کے  
اہم امور میں سے تھے۔

بھپن ہی سے ابن سعید باب کی نگرانی احمد تعلیم کے باعث  
ذہبی آدمی بن گیا تھا۔ عام جلسوں میں، تنبہائی میں، مسیداں جگ  
میں، کھلے ریگستان میں، خیمه میں ۔ ۔ ۔ ہر جگہ اسے خدا کے  
جلوے نظر آتے تھے۔ وہ اسی پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتا  
تھا۔ ہر مسئلہ پر نہایت خشوع و خضوع سے خور کرتا اور بھلائی کے  
لیے خداوندِ کریم سے دعا مانگتا تھا۔ ذمہب اور سیاست اس کے  
پاس دو عالمیہ چیزیں نہیں بلکہ ایک اور بالکل ایک۔ وہ کہا کرتا تھا۔  
”یہ اول تو مسلمان ہوں اور پھر عرب کا رہنے والا خلفیتیں“

کا ایک ادنیٰ بندہ“

ابن سعید کے دشمن اس کے متعلق بہت کچھ کہا کرتے تھے لیکن اس کے  
خلاص کے متعلق کسی کو زبان ہلانے کی گنجائش نہ تھی۔ ساتھ ہی اس کے  
اسے پہنچنے والوں پر کامل بھروسہ تھا اور اسے اس بات کا پورا نقیب  
تھا کہ اگر اہل عرب کی تنظیم کی جائے تو وہ بہتر سے بہتر کام کر سکتے  
ہیں چنانچہ ایک دفعہ اس نے قلبی سے حسین کے خلاف گفتگو کرتے  
ہوئے کہا

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں صرف زبان ہلا دوں تو

ہر حصہ سے لوگ جو حق درحق آگر میرے چندے کے نیچے جمع ہونے گے۔  
 ہر شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ زندگی سے موت بہتر ہے اور ہر ایک  
 اس گرانقدر انعام کے لیے زندہ ہے۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اس  
 معاملہ میں چیخچے ہٹانا یا پس دوپشیں کرنا جہنم کی آگ کے لیے تیار  
 رہتا ہے۔

اس کے اور الاخوان کے اعتقاد میں کوئی فرق نہ تھا البتہ وہ

لے الاخوان کے متعلق اس سے پیشتر کے کسی باب میں تفصیلی سخنوات دی گئی ہیں۔ یہ  
 فائزیوں اور مجاہدوں کا ایک گروہ ہے۔ یہ توحید پر مرجانے والوں اور جان دینے والوں  
 کی جماعت ہے جو حمیت و حصیقت دینی میں نہایت شدید ہے۔ ان کا نعروہ مجاہدانا یہ ہے  
 عُودُ وَاللَّهُ أَتَاهُمَا الْمُشَرِّكُونَ - عُودُ وَاللَّهُ أَتَى الْبَفِي وَالسَّنَةُ عُودُ وَاللَّهُ  
 دِينُ التَّوْحِيدِ لِعَنِ الْاَخْوَانِ عَلَيْكُمْ ..... از سیفنا بتار ولو عنا  
 عصیب۔ (پیٹو اللہ کی طرف لے۔ مشرکوں ای پیٹو بنی اور سنت کی طرف۔ پیٹو دین توحید  
 کی طرف۔ ہم تم پر سلطان ہیں ..... ہماری تواریخ اور ہماری لڑائی کوئی ہم ہے۔)  
 اس جماعت کا نعروہ جنگ یہ ہے۔ ہبہت ہبوب الجنتہ این انت یا باعہہا  
 (جنت کی ہبہیں اتری ہیں، لے کر تو اس کا آرزو مند ہو کر ہو،) یا بیخ نہدار ستم جیز پھری۔  
 یہ جماعت بلاشبہ ایک نزبر دست طاقت کی مالک ہے۔ البتہ اس کی ابتداء میں شفیع کم تھی جب کے  
 باعث انہوں نے بعض اسی غلطیاں کیں جن کو اسلامی دینی نظر وہ سو نہیں کیا تھا لیکن اب  
 اب سو نے اس کو بہت کچھ منظہ کر دیا ہے اور اسے دن اس خدا پر جان دینے والی جماعتیں اپناؤں پر جماعتیں

نبیب کے اندر ہے تھے اور غلطیوں کے مذکوب ہوتے تھے اور یہ ہوشیاری  
 سے کام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ دویش نے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے  
 کی صلاح دی۔ ابن سعو نے سرکار گواہ کا یہ حکم سنایا کہ اگر  
 فتح کا پورا یقین نہ ہو تو جہاد نہ کرو۔ اسی طرح ریاض کے علماء بھی اسے  
 طرح طرح کے مشورے دیتے اور غیر عالمالک کے باشندوں سے تعلقات  
 منقطع کرنے کے لیے اسے مجبور کرتے تھے، لیکن ابن سعو جہاں تک  
 نبیب کا تعلق تھا ان کی سنتا تھا اور جب کوئی سیاسی مسئلہ ہوتا تو اس سے  
 صرف اس وقت متعق ہوتا تھا جب کہ اس میں کوئی جان ہو۔ ابن جو  
 کی یہ فطرت ثانی ہو گئی تھی کہ وہ ہربات کو پہلے عقل کی ترازو میں تولنا  
 تھا اور پھر اس پر عمل کرتا تھا۔ چنانچہ کوئی لوگوں نے اسے خلافت کے  
 لیے کہا، اکثر وہ نے اسے امام مہدی کے فرائض انجام دینے کو کہا۔ مگر  
 ابن سعو ایسا اور چھانے تھا جو ایسی فضول باتوں پر کان دھرتا۔ وہ ب۔  
 کی سنتا اور خاموش اپنا کام کرتا تھا البتہ حسین کو شکست دے کر مکہ کی  
 مقدس سر زمین کو برائیوں سے پاک کرنے کے متعلق وہ اپنے لوگوں کا  
 ہم نوا اور بذات خود اس کے لیے سخت کوشان تھا۔  
 ان سب باتوں کے علاوہ ابن سعو شریعت کے دامن کو ہاتھ  
 سے چھوڑنا کسی قیمت پر گوارانہ کرتا تھا۔

— ۴ —

ابن سعو نے حسین پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن اس

سلسلہ میں ابھی کوئی عملی قدم آگے نہیں بڑھا گی کیونکہ جہاز کو حاصل کرنا، احساء، حاصل اور شمر پر حلہ کرنے کی طرح آسان تو نہ تھا۔ کیونکہ کئی اعتبار سے اس خط پاک کو بین الاقوامی اہمیت حاصل تھی، یہ مسلمانوں کے لیے بے سے زیادہ قابلِ احترام سر زمین اور اللہ کا گھر تھا، ہر مسلمان اس سے خاص لگاؤ رکھتا ہے۔ اگر دنیا کے مسلمانوں کی مرضی کے خلاف ابن سود جہاز کو اپنی قوت بازو سے فتح کر لیتا تو تمام عالم اسلامی کے نزدیک یہ فعل ہرگز ہرگز مستحسن اور قابل قبول نہ ہوتا۔ اسی لیے سب سے پہلے ابن سعو نے ملی الاعلان اس امر کا انہیاں کر دیا کہ جب تک سارا عالم اسلامی حسین کو اپنا خلیفہ تسلیم نہ کر لے، وہ کبھی اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کریگا۔

جب کی حد تک حسین کے متعلق غور و خوض کرنے کے لیے ابن سعو نے ایک کانفرنس منعقد کی جس میں عرب کے تمام قبائل کے علماء، شیوخ اور سردار جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے اس جلسے کی صدارت کی۔ ابن سعو جی کسی خاص اعزاز یا شان و شوکت کے بغیر اس جلسے میں شرکیت تھا۔ کارروائی شروع ہوئی اور ایک ایک کر کے تمام علماء اور شیوخ نے حسین پر حلہ کرنے کی صلاح دی اور استدلال میں یہ بات پیش کی کہ گذشتہ دو سال سے کسی وہابی کوچ کا موقع نہیں ملا تھا۔ الآخر ان تو بس جنگ کے لیے مرد ہے تھے۔

ابن سعو اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا ہوا سب سے رہا تھا لیکن:

حسین پر فوری حکم کرنے کا تصریح ہونے لگا تو یہ اس نے مخالفت شروع کی اور کہا کہ جب تک سارا عالم اسلامی خلافت کے بارے میں اپنی رائے نہ دے لے، حسین پر حکم کرنا بے فائدہ ہو گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے لارکے فیصل کی دستخط سے، تمام بلاد اسلامیہ میں، حسین کے واقعات — اس کی سختیاں، اس کی نا انصافیاں، اس کے مظلوم، اور اس کی خود غرضیوں وغیرہ کو لکھا۔ یہجا اور شور طلب کیا۔ مسلمانوں کے مختلف قرقوں سے عقائد کی موافقت یا مخالفت کے مقابلہ سے مختلف النوع جواب آئے۔ بعضوں نے حسین کی موافقت کی، اکرزوں نے اس کی مطلق العنانی اور ظلم و ستم کے لحاظ سے اس کی مخالفت کی، بہر حال اکثریت حسین کے خلاف تھی اور ابن سعود سے اس امر کی متنبی تھی کہ وہ چاہ کو حسین کے جوئے سے نکال کر آزاد کر دے تاکہ حجاج کو چین و اطیان ان نصیب ہو۔ رہا خلافت کا سوال، تو اس کے متعلق دنیا کے تمام مسلمانوں نے حسین کی موافقت کی اور وہ اب بھی سلطان عبدالمجید خاں ہی کے موافق تھے اور جائز حق دار سمجھتے تھے۔

(۶۱)

اب تمام حالات ابن سعود کے موافق تھے، حسین تن تہاٹا، انگریز بھی اس سے بیزار آگئے تھے، وہ اپنے لارکوں کی بھی بہت کم سنتا تھا جس سے وہ بھی بذلن ہو گئے تھے۔ ان حالات کی تجت

ابن سعود کے مشیروں نے شدت کے ساتھ حملہ کرنے پر نور دیا۔ کامیاب ناگزیر تھی ۔

ابن سعود حملہ کے متعلق اپنے خاص منصوبے رکھتا تھا۔ وہ یہے خدا اور تراپ کی طرف سے سیدھے کہ اور جدہ اور بھر و سطح جاز پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ عبد اللہ اور فضیل کو روکنے کے لیے اس نے ایک فوجی دستہ عراق کی سرحد پر روانہ کیا اور ایک دوسرا فوجی دستہ جوف سے وادی شیریں کی طرف اور ایک دوسرا دستہ مدینہ اور دمشق کے درمیان ریلوے پٹری کی جانب۔ سلطان ابن بجاد شیخ عقیبہ کو جاز کی سرحد پر بھیجا کہ وہاں وہ مہنگا مہم چاہئے اور لوئی کو خدا سے سیدھے کہ کی طرف حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

خدا سے پرے شہر طائف واقع تھا، یہ بڑا ہی خوش نما اور خوش منظر شہر تھا، یہاں ایک قلعہ اور کچھ فوج تھی۔ اس کی فضیل بڑی مصوبو ط تھی۔ یہ شہر حسین کا تفریح گاہ تھا اور جب مکہ میں زیادہ گرمی ہوتی تو حسین یہاں آ کر قیام کرتا تھا۔

لوئی کو اطلاع ملی کہ آج کل حسین کا بیٹا علی جواس کی فوج کا کمانڈر تھا، تفریح کی غرض سے طائف آیا ہوا ہے۔ لوئی نے بجاد کو اس کی اطلاع کر دی اور بجاد نے فوراً جتنی بھی فوج مل سکی، جمع کر کے طائف پر حملہ کر دیا۔ علی کوئی ایسا اچھا سپاہی نہ تھا، شہر کے دروازے کھلے چھوڑ کر وہ بھاگ بھلا۔ چو طرف سے الاروان ٹوٹ پڑنے لگے۔

---

اس اثناء میں علی نے ہما پر اپنی فوج جمع کر لی اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا لیکن الاخوان اس زور سے دھا دا بول رہے تھے کہ علی کی فوج کے پیر میدان سے اگھر گئے اس طرح علی کی فوج کو درہم برہم کے الاخوان نے سید ہے مکہ کا رُخ کیا۔

یہ خبر جو کہ کوئی پہنچی تو ایک دھوم سی مج گئی۔ لوگ گمرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ میشروع نے اپنا گھر بارچھوڑا اور پچھے ضروری سامان لے، جدہ کا رُخ کیا۔ بے شمار لوگ ہر اسان اور بدحواس تھے۔ ان کے دلوں پر الاخوان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

حسین بھی بزدل نہ تھا بلکہ وہ سعودیوں کے خلاف مرتے دمک رٹنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے اپنے لڑکے علی کو جدہ روانہ کر دیا اور اپنے لوگوں کے پاس پیغام بروں کو دوڑایا کہ وہ حملہ کی مدافعت کریں کسی نے امداد نہ دی۔ خود اس کے ملازم اور سپاہیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا البتہ اس کے چند رشتہ داروں اور علاموں نے ساتھ دیا۔

ابھی وقت تھا۔ جدہ اور کمکے درمیان رستہ کھلا تھا۔ حسین کے میشروع نے صلاح دی کہ وہ اپنے لڑکے کے حق میں تختہ سے دست بردار ہو جائے تاکہ کہ لوٹ مار سے بیچ کے جدہ کا ناظم کروڑ گیری طویل حسین کلبے حد دوست تھا۔ حسین اس کی بہت سنتا تھا۔ طویل نے حسین کو دست برداری کی صلاح دی۔

لیکن حسین کے دماغ میں باوشا ہت کا جنون نور پکڑ رہا تھا۔ دوست احباب اور مخلصوں کے مشوروں سے غصہ کے مارے وہ جھنگلا گیا اور سب کو شنخ جھاب دیا۔ رشتہ داروں نے اس سے الجھائی کہ خدا را ایسے نازک موقع پر سنجیدگی سے کام لیجئے۔ اہل شہر نے رُورُو کر استدعا کی لیکن اب بھی حسین اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہ حال دیکھ کر شہری اس کے محل کے اطراف جمع ہو گئے اور یہ طے کر لیا کہ حسین کو پھوٹ کر دشمنوں کے حوالہ کر دیا جائے اور اس کی جمع کر دے دولت لوٹ کر حصہ بخے کر لیے جائیں۔

اب تو حسین کو تخت چھوڑتے ہی بھی۔ حسین نے بادل ناخوتت مجبور ہو کر دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اس کے پاس بابہ مولیں تھیں۔ ان میں اپنا تمام قیمتی اثاثہ بھر کر سید سے جدہ چلا گیا پھر ہمارا سے ایک جہاز کے ذریعے عقبہ ہوتے ہوئے جزیرہ سائپرس بیٹھا۔

— ۸ —

الاخوان کی اس مہتمم بالثان کامیابی پر سب سے زیادہ حیرت ابن سعوڈ کو ہوئی۔ اسے یقین تھا کہ آخری لمحہ میں بھی انگریز حسین کو مدد نہیں گئے۔ اسے ہرگز ہرگز دو امید نہ تھی کہ وہ دشمن سے اتنا جلد پہاڑ گا۔

ملی نے کہ آکر ابن سعوڈ کی مدافعت کیلیے بہت کچھ انتظام کیا لیکن اس سے کچھ خاطر خواہ تشفی نہ ہوئی کیونکہ کہ اور اطرافِ مکہ

کے لوگ بہت بدل ہو گئے تھے اور الاخوان کے نام سے کاٹنے تھے۔ علی بھی ابن سعید سے مصالحت کرنے کا خواہاں تھا کیونکہ وہ جنگجو نہیں بلکہ فافیت پسند تھا ملکیں طویل کے اکٹھانے پر وہ مدافعت کے لیے راضی ہو گیا۔ علی نے اس کے بعد انگریزوں سے امداد طلب کی لیکن انگریزوں نے مدرسی جنگ قرار دے کر امداد سے صاف انکار کر دیا۔ انگریزوں کا یہ جواب سن کر علی نے ابن سعید سے صلح کی دعویٰ کی لیکن ابن سعید اس پر راضی نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جہاز کی سر زمین میں حسین کے خاندان کا ایک بچہ بھی نجی رہ گیا تو چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس نے بیجاء اور لوہی کے ساتھ اپنے چند سپاہی رفعت کیے اور ہدایت کی کہ طائف کی طرح لوٹ مارنے کی جائے اور اگر کوئی بد عنوانی ہو گی تو اس کے ذمہ دار بیجاء اور لوہی ہوں گے۔ بیجاء نے مک کے باہر ڈیرا ڈال دیا اور اپنے چار سپاہیوں کو زائرین کے لباس میں غیر مسلح شہر کے اندر بھیجا۔ مک میں کامل سکوت تھا، بازار اور مکان بند پڑے تھے۔ ان چاروں سواروں نے بآواز بلند شہر کی گلی کو چل میں پھر پھر کر اعلان کر دیا کہ

خدا کے فضل سے سب کو جان کی امانتی  
ابن سعید تمہارا حکمران ہے

دوسرے دن لوہی نے دہڑا رسپاہیوں کے ساتھ کہ پر قبضہ

کر لیا۔ تو وہی کٹا دہلی تھا۔ وہ چاھتا تھا کہ اہل مکہ کے ساتھ بھی وہی کیا جائے جو طائف والوں کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن ابن سعید کی نامومنی سے ڈر کر اس نے ضبط سے کام لیا۔ اس پر الاخوان جماعت کے لوگوں نے مساجد اور مقابر پر جوز بیانشی اشیاء تھیں ان کو فراؤ بھاکل دیا۔ تو قیٰ نے انہیں اس سے زیادہ اجازت نہ دی۔ اس کے بعد مکہ کی اطراف کے قبائل نے ابن سعید کی بلاچوں و چڑا اطاعت قبول کر لی۔ البتہ دو ایک قبیلوں نے کچھ مخالفت کی لیکن الاخوان کے بڑھتے ہوئے سیلا ب کے آگے آخر انہیں بھی سر جھکانا ہی پڑا۔

بندرگاہ جدہ اور میون اور شہر مدینہ — یہ تینوں اچھی طرح محصور تھے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت سے انحراف کیا۔ ان کے علاوہ تمام مجاز پر ابن سعید کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح کے بعد ابن سعید ریاض پہنچا، ایک خطیم الشان جلسہ کیا اور اپنی فتوحات کی اطلاع تمام بیرونی مالاک کو کرانی اور یہ لکھ بھیجا کہ

”اب نا انصافی اور غاصبیت کا دورہ ختم ہو چکا ہے، ہماری حقیقی آرزو یہ ہے کہ اسلام کی مقدس سر زمین تمام مسلمانوں کے لیے گھلی رہے۔ اور مقاماتِ تقدیسہ کی کارروائیوں کا تصفیہ خود سب مسلمان بیٹھ کر لیں۔

ہم خود مگہ جانیں گے اور ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارے  
تمام مسلمان بھائی بحث و مباحثہ اور تصفیہ کے لیے  
اپنے اپنے نمائندے روانہ کریں ۔

اس کے بعد ابن سعود اپنے بیٹے سعود کو ریاض میں اپنا قائم مقام بنانے کے لئے سعد علیاء شرفاء، وزراء اور سردارین عساکر وغیرہ کو  
لے کر مکہ کا رُخ کیا ۔ یہ سفر بہت آہستگی سے طے ہوا اس لیے کہ راستے  
میں اہل قبائل آئے اس سے ملتے، اس کی کامیابی پر مبارکبادیتے  
اور اپنی وفاداری کا ثبوت دے رہے تھے ۔ چودھویں دن ابن سعود  
نے اپنے مشیر خاص حافظ وہبہ اور وزیر خارجیہ دو لوگی کو استقبال  
کے لیے آگے روانہ کر دیا ۔

پندرہویں دن وہ گئے مغضوبہ پہنچا ۔ قریب پہنچ کر اس نے احرام  
باندھ لیا ۔ کھڑا ایں پہن لیے اور برہنہ سر، غیر مسلح عرفات کی پیاری  
اور پھر وادی ابطح اور معابدہ کی رشکی سڑک سے ہوتے ہوئے  
لکھ مغضوبہ پہنچا ۔ اس کی زبان پر یہ کلماتِ طلبیہ جاری تھے ۔  
لَبِيكَ اللَّهُمَّ لَبِيكَ لَا شَرِيكَ لَلَّهِ يَاكَ لِبِيكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ  
وَالْمُلْكَ لَلَّهِ يَاكَ الَّذِي

قبرستانِ محلی کے پاس لوٹی اس سے آملا ۔ لوٹی کے ساتھ وہ شہر میں  
داخل ہوا ۔ اہل شہر نے اپنے گھروں کے دروازے کھول دئے اور باہر آئے  
ابن سعود کو دیکھنے لگے ۔ ابن سعود یہ سچے جامع مسجد پہنچا اور وہاں جا کر ارکانِ حجہ دیکھا

# تیرہواں باب

## جہاز کی فتح

— ۱ —

مکہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد ابن سعود نے جہاز کی مقدس سر زمین اور سارے عرب کی تنظیم جدیدہ کا بیڑہ اٹھایا۔ جہاز کے علاوہ دوسرے ملاقوں میں وہ اپنی مرضی کے موافق نظم و نسق قائم کر سکتا تھا لیکن جہاز کا معاملہ ساری دنیا کے مسلمانوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر اس کے نظم و نسق میں فری بھی فروگذشت ہو جاتی تو دنیا کے اسلام میں ایک تسلیکہ مج جاتا اور اس کی شہرت اور نیک نامی پر پانی پھر جاتا۔ اسی لیے جہاز کی حد تک ابن سعود اپنی طبیعت کے خلاف پھوٹک پھوٹک کر قدم رکھ رہا تھا کہ مبادا کوئی خلطی سرزد نہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں ابن سعود کو بہت سی مشکلات سے دوچار ہوتا پڑتا۔ اس کی دعوت پر مختلف ممالک سے مسلمان نمائندے آئے اور

عقصہ میں بھرے ہوئے آئے ۔ وہ پہلے ہی سے وہابیوں کے عقائد کے خلاف تھے، شریف مکہ کے پروپاگنڈے نے آگ پر پانی کا کام کیا اور دنیا کے اسلام کا بیشتر حصہ ابن سعود کے خلاف ہو گیا ۔ چنانچہ ایران اور عراق کے اہل تشیع نے اس کے خلاف صدائے اجتہاد کی کہ مکہ پر وہابیوں کا قبضہ ہو گیا، حج و زیارت میں تکلیف ہو گی، یہ لوگ بڑے جاہل اور سخت ہیں، طائف میں انہوں نے وہ دھوم مچائی، توریب کو ویسا تباہ کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مکہ کے گنبد ڈھادئے یا بن ہوئے۔ ان سب باتوں کو سُنا اور ان لوگوں کے اعتراضات پر بھڑک اٹھنے کی بجائے اس نے سمجھی گی سے کام لیا اور معتضیں کو حجاز آکر صفائی کرنے کی دعوت دی ۔ چنانچہ ایران سے کئی لوگ آئے، پہلے ان کا طور بہت مخالفانہ رہا لیکن ابن سعود نے جب واقعات کی تفصیل کی تو وہ مطمئن ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے ۔

مصر سے بھی کئی ناس نے اسی غرض سے مکہ آئے۔ مصری بڑے نقاد اور لڑاکو واقع ہوئے ہیں ۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ حسین کی زبانی معلوم ہوا کہ الاخوان مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں اور نعوذ باللہ گنبد خضرا پر ہاتھ ڈالنے والے ہیں ۔ اور دو شیخ کو لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ ابن سعود نے بتایا کہ واقعات سب فلسطین کے بیان کیے گئے ہیں ۔ یہ سب شریف حسین کی ریشہ دوائی ہے ۔ حالانکہ واقعات بالکل مختلف ہیں ۔ مصریوں کو اطمینان ہو گیا اور

وہ خوشی خوشی اپنے وطن سدھا رے ۔

اس کے بعد ہندوستانی علماء کا گروہ پہنچا ۔ ہندوستانی علماء نے مذہبی نہیں بلکہ سیاسی خیالات سے بھی مستحق تھے ان کے اور ابن سعود کے مابین زور دار مباحثہ ہوا لیکن دونوں کسی سمجھیدہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے لیکن ساتھ ہی اس کے دونوں ناراضی بھی نہیں ہوئے ۔

ترکی سے شیخ سنوی آئے ۔ یہ بہت بوڑھے اور سخت مذہبی آدمی تھے ۔ لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور دنیا میں ان کے معتقدین کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ انہوں نے وہا بیوں پر اعتراضات کی بوچار کر دی اور خوب ہجو کی ۔ وہا بی اس پر حد درجہ مشتعل ہو گئے، قریب تھا کہ کوئی جسکڑا ہو جاتا لیکن ابن سعود نے ہنایت ہو شیاری سے اس معاملہ کو رفع دفع کر دیا۔ اس طرح ابن سعود پر چوڑھ سے اعتراضات کی بوچار ہونے لگی لیکن وہ خاموشی سے اپنے منصوبے گھٹانے لگا مخالفین نے یہ سمجھا کہ شاید ابن سعود اپنے کیے پر پشیان ہے ۔

ابن سعود نے پھر جماز میں ایک عارضی حکومت قائم کر دی اور اس پر ایک کمیشن مقرر کر کے اس کا صدر اپنے دوسرے رٹ کے فیصل کو بتایا ۔ لوڈی کے ذمہ فوج کر دی اور حافظ وہبہ کو سیول گورنر مقرر کیا، اس کے بعد جدہ، یمن، بوح اور مدینہ کی

حسین اور ابن سعید کی باہمی نزاع سے متعلق انگریزوں کا خیال تھا کہ اس جگہ پر میں دونوں کی قوت کمزور ہو جائیگی لیکن حسین کی حیرتناک اور غیر متوقع ناکامی نے انگریزوں کی آنکھیں کھوئی دیں۔ اس موقع پر انگریزوں نے کسی نہ کسی طرح کاملاً ہدایت کر لینا ہی مناسب سمجھا۔ اس غرض کے لیے انہوں نے سرگفتہ کلے ٹن کی زیر صدارت ابن سعید کے پاس ایک وفد روانڈ کیا۔ اس سے قبل انگریزوں نے شہر عقبہ کے اطراف پچھے حصہ پر قبضہ کر لیا جو حجاز کے شمال میں واقع ہونے کے علاوہ سوئز اور مصر کا رستہ بھی ہے۔ ابن سعید نے اس وفد سے کہہ اور جدہ کے درمیان مقام بجھہ پر اپنے جنگی خیمه میں ملاقات کی۔ ابن سعید نے ہنایت اطمینان کے ساتھ اس وفد سے بحث کی، وہ سب ہاتوں سے اچھی طرح واقف تھا، پچکے سے وادیٰ شیریں کے شمال میں اپنی فوجیں بیسجدیں اور وہاں ایک مخصوص حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس حصہ پر قبضہ ہو جانے سے انگریزوں کے منصوبے برابر ہو گئے۔ وہ اسی چیز کو نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس سے ابن سعید کو بحر متوسطہ کی طرف رستہ مل گیا اور فلسطینیں کو بھی ایک طرح کی دھمکی ہو گئی۔ انگریز بغداد اور پھر ہندوستان تک

---

---

ہوائی رستہ بنانا چاہتے تھے۔ اور موصل سے چیفہ تک انگریزی فوج کے لیے تیل کی نہر نکال لانا چاہتے تھے۔ لیکن ان سب منصوبوں پر پانی پھر گیا۔

کلئے ٹن نے اس موقع پر ایک چال چلی۔ اس نے کہا کہ انگریز اور فرانسیسیوں نے یہ طے کر لیا ہو کہ ابن سعود کو اس حکومتے سے ہٹا کر بند کے علاقہ کو ذرا پچھے ہٹا دیں۔ یہ گویا ابن سعود کو کھلی دھکی دی جا رہی تھی۔ اب تک وہ خنده پیشانی سے ہم کلام تھا، اب اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ اس نے لپنے لوگوں پر ایک نظر ڈالی۔ سب جنگ کے لیے ٹٹے کھڑے تھے۔ اگر چاہتا تو سب لوگ خوشی سے انگریزوں کے خلاف میدان میں اتر جاتے۔ مگر یہ فعل سراسر عقلمندی کے خلاف تھا۔ انگریزوں کی قوت ہے، بڑھی ہوئی تھی۔ جدہ، نیپور اور مدینہ ابھی اس کے قبضہ میں نہ تھے۔ اس کے علاوہ بغداد میں فیصل اور اس کا بھائی عبداللہ دونوں اس پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور حسین کی طرف سے کسی نہ کسی طرح انہیں امداد پہنچ رہی تھی۔

ایک لمحہ میں یہ سب حالات ابن سعود کے آگے آگئے وہ مسکرا تے ہوئے کلئے ٹن کی طرف پلٹا، اور اس حصہ سے کنارہ کشی منظور کری۔ اس کے بدلہ میں انگریزوں نے اسے وادی شیریں اور روئیلہ قبائل کا اختصار تسلیم کیا۔

حسین کا بیٹا علی بن سعود کی آنکھوں میں کانٹا بن کر بکھر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد سارے ججاز کو اپنے قبضہ میں لائے۔ اس نے پھر ایک مرتبہ دنیا کے تمام مسلمانوں سے ججاز کے نظم و نتیجے سے متعلق مشورے طلب کیے اور اس موضع پر گفتگو کرنے کے لیے انہیں ججاز آئنے کی دعوت دی۔ ایک بیال تک کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابن سعود نے پھر سے دعوت کی تجدید کی۔ اس مرتبہ بعض ممالک نے صاف انکار کر دیا، بعضیوں نے کچھ بہانہ کیا اور چند نمائندے جو آگئے انہوں نے طرح طرح کے بے معنی اعتراضات شروع کر دئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کسی چھوٹے مسئلہ پر بھی متفق نہ ہو سکے ان کا زیادہ نزد وقت غیر حقیقی اور بے مفہود اختلافات کی نذر ہو گیا۔ اس کے باوجود ابن سعود نفاق پیدا کرنے کو گناہ سمجھتا رہا اور اس بات کا آرزو مند تھا کہ اسلام میں ایک اتحاد پیدا ہو جائے چنانچہ اسی سلسلہ میں اس نے ایک عام جلسہ میں قرآن حکیم کی ایک آیت بے ساختہ تلاوت کی جس کامنداشی ہے کہ "خدا کے حکم کی حقیقت سے تعیل کرو اور علیورہ ملت خدا نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اسلام اور جناب عطا دیا ہے" ابن سعود کے ساتھی بھی ان باقتوں سے بیزار آگئے تھے، وہ کہتے تھے کہ ججاز کو ہم نے اپنا خون بہا کر آزاد کرایا ہے،

پھر کیا وجہ ہے کہ دوسروں سے اس کے متعلق گفتگو کی جائے جب کہ وہ خود اس معاملے کی کیسوئی کرنا نہیں چاہتے؟ علماء، وہابی، الاخوان اور بند کے تمام جان نثار، جاڑ کو سوائے ابن سعود کے کسی دوسرے کے ہاتھ میں دینا نہیں چاہتے تھے۔ خود جہازی بھی اس کے لیے راضی نہیں تھے۔ بالخصوص جب ہندوستان کی طرف سے جہازیں بین الاقوامی جمہوریت قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو ابن سعود، بندی اور جہازی سب کے سب بھرک اٹھ اور ابن سعود نے تصفیہ کر لیا کہ یہ بحث فضول ہے، وہ خود بادشاہ بن کرملک کے سارے انتظامات خوش اسلوبی سے انجام دے سکتا اور انگریزوں کا مقابلہ کر سکتا ہے، چنانچہ اس نے اپنے ایک مہمان سے کہا

”اس کا یقین کرو کہ میرے ملک میں کوئی بیرونی حکومت اپنا سکے جا نہیں سکتی۔ خدا کے فضل سے میں خود، خود مختار اور چیشت سے حکومت کر سکتا ہوں۔

”میں نے اس مسئلہ پر کافی خور کیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ کسی جگہ کے بھی مسلمان جہازی خود مختاری کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ ہندوستانی انگریزوں کے ماتحت ہیں، شامی فرمیبوں کے زیر اثر وہوا ہذا۔ اگر میں حکومت کی بگ

ان کے ہاتھ میں دیدوں تو اس کا صریح نتیجہ یہ ہو گا  
کہ باہر کی عیانی اقوام ہماری مقدس سرزمیں پر  
لپٹنے آدمیوں کے ذریعہ حکومت کریں گی۔  
”میں نے خدا کی مدد سے، اپنی قوتِ بازو سے  
اور اپنے ساتھیوں کی جان نثاری سے فتح حاصل  
کی ہے۔ صرف میں ہی اس سرزمیں کو ایک آزاد  
اسلامی سلطنت کا رنگ دے سکتا ہوں یہ میراثی  
اور فرض ہے کہ میں باشاہ بنوں ۴۴

اس کے بعد ابن سعود نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے پاس  
ایک پیغام بھیجا جس میں لکھا تھا کہ  
”ججاز پر حکومت کرنا یا اس کا مالک بن بیٹھنا میری  
خواہش نہیں ہے ججاز میرے ہاتھ میں ایک امانت  
ہے اور یہ اس وقت تک میرے پاس رہنگی جب تک  
کہ اس مالک کے باشندے اپنے لیے ایک حکمران منتخب  
نہ کر لیں۔ ایک ایسا حکمران جو اپنے کو مسلمانانِ عالم  
کا خادم سمجھتا ہو۔“

ابن سعود کے سوا دوسرا کون ایسا ہو سکتا ہے؟

— ۳۱ —

اپنے تئیں یہ تصفیہ کر لینے کے بعد ابن سعود اپنے کام کی

طرف رجوع ہو گیا۔ مدینہ، نبیوں اور جدہ کی فتح کا مسئلہ اس کے پیش نظر تھا۔ ان دنوں دویش حج کے لیے مکہ آیا ہوا تھا اب این سوچے اسے گھر واپس جانے کا حکم دیا کیونکہ یہاں اس کی چندال ضرورت نہ تھی۔ دویش ذرا آزادہ ہو گیا اور واپس جاتے میں اس نے چند گاؤں پر حملہ کر کے معصوموں اور بیگنا ہوں کے خون سے اپنے غصہ کی آگ بھانی، اور فزیہ طور پر اپنی اس کارگزاری کی اطلاع ابن سعود کے پاس بھیجی۔ ابن سعود کو دویش کی یہ نازیبا حرکت بہت بُری معلوم ہوئی اور وہ اسے فوراً واپس چلا جانے کا حکم دیا اور خلاف وزیر کی صورت میں سزا کی دھکی دی۔ دویش اپنا خون آپ پی کر چلا گیا۔

اس کے بعد ابن سعود نے اپنے لڑکے محمد کو مدینہ روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کی حکومت تسلیم کر لی اور پھر بند رگاہ نبیوں کے باشندے بھی ابن سعود کے ماتحت بن گئے۔ اس وقت علی جدہ میں تھا۔ یہ اپنے کو جہاز کا بادشاہ جلتا تھا، اس کے ساتھ حسین کی فوج کے تھوڑے سے سپاہیوں کے علاوہ چند شامی اور ترکی افسر بھی تھے۔ علی نے ابن سعود کے مقابلہ کے لیے خندقیں کھد والیں، فصیل درست کرائی اور دو ہوائی جہاز بھی خرید لیے تھے۔ لیکن علی میں انتظامی قابلیت سرے سے مفقود تھی۔ اس کے ماتحتین کا بھی یہی حال تھا،

---

---

اس وقت جده میں جاج بھرے ہوئے تھے۔ کھانے پینے کی سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ علی میں اتنی صلاحیت تو نہ تھی کہ ان امور کا اسند ادا کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند دن کے اندر تقطیر پڑ گیا۔ لوگ بڑکوں پر بھوکے ہر نے لگئے، طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو گئیں اور ایک عام بد حواسی پھیل گئی۔

جس وقت الاخوان نے مدینہ پر حملہ کیا تو علی کے رہے ہے ہوش پر ان ہو گئے اور سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ علی نے خاموشی ہی میں خیر دیکھی اور انگریزی چیاز پر سوار ہو کر ڈکبر ۱۹۲۵ء میں عدن سے ہڑتا ہوا اپنے بھائی فیصل کے پاس بخدا پہنچ گیا۔ اس کے بعد ابن سعود نہایت فتحنداہ انداز میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اہل مدینہ نے اس کی اطاعت قبول کی۔ پھر وہ مکہ مغفریہ کیا۔ شرفاء اور علماء نے اس کا استقبال کیا اور کہا کہ حماز کے باشندے اے اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ پھر وہ نہایت ترک و احتقام سے جده میں داخل ہوا۔ ابن سعود یہ کرو فراس یہ نہیں کر رہا تھا کہ پورپی تو نصل پر اس کا رب بیٹھے بلکہ وہ اس یہ نے نازان تھا کہ اس نے بے دین، حسین شریف مکہ پر فتح حاصل کی تھی۔ ورنہ وہ ظاہری نمائش اور تکلفات سے طبعاً اجتناب کرتا تھا۔

۸ مر جنوری ۱۹۲۷ء کو صبح کے وقت وہ باب صفائی کے راستے سے

---

---

جامع مسجد میں داخل ہو کر منبر پر بیٹھ گیا، پکھ دیر و عظ کہتا رہا، پھر  
شرفاء و علیاء کو بلا کر بیعت لی اور نماز ادا کی۔

اس اشناو میں مسجد کے سامنے ایک بڑا مجمع ہو گیا۔ سب کے  
سامنے اس نے اپنے رٹکے فیصل کو اپنا جانشین قرار دیا اور زیاد کے  
قلعہ میں اپنے اعزاز میں ایک سو ایک توپیں دخوائیں۔ اس ملک  
اکثر کئے وہابی چین بہ جیں ہو گئے حالانکہ اس نے یہ فعل مصلحت کیا تھا۔  
اب ابن سعود سارے بند اور جماز کا سلطان تھا۔

## پھودھوال باب

### اسلامی کانگرس اور مصری محل

ابن سعید اب سارے بخدا اور ججاز کا مالک تھا، اس نے یہ محسوس کیا کہ بخدا کی حد تک تو کسی پیر و فی امداد کی ضرورت نہیں البتہ ججاز کے معاملہ میں دنیا کے تمام مسلمان کا اتحاد ضروری ہے اس نے مکہ میں کانگرس مقرر کی اور تمام سربرا آودہ مسلمانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ اب چونکہ ابن سعید بخدا اور ججاز کا سلطان تھا اور اندر وہی جھگڑے بھی ایک بڑی حد تک دور ہو چکے تھے اس لیے نمائندوں نے بلا خوف و خطر اس کی دعوت پر بیکار کیا۔

اس موقع پر ممتاز مالک کے کوئی ستر نمائندوں نے شرکت کی۔ ایران یا عراق سے کوئی نمائندہ نہیں بھیجا گیا اور ترکی، یمن، مصر اور افغانستان سے جو نمائندے آئے وہ کچھ دن بعد پہنچے۔

بہر حال ہر جوں ۱۹۲۰ء کو سب نمائندے ایک بڑے ہال میں  
جمع ہوئے یہ ہال بہت سلیقہ سے سجا یا گیا تھا۔ دو وازوں پر  
سائز پر دے ڈالنے لگئے تھے کیونکہ یہ جہاز کا امتیازی رنگ تھا ہال کے  
ایک حصے میں ایک پلاٹ فارم بنایا گیا تھا جس کے سامنے نمائندوں  
کے بیٹھنے کے لیے گھر انگلی وضع کی دونوں کار اشتمام کیا گیا  
تھا کہ نمائندوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔

پہلے اجلاس میں جب سب نمائندے اپنی اپنی نشستوں پر  
بیٹھ گئے، ابن سعود، حافظ وہبیہ کے ساتھ بغیر کسی تہکف یا شان  
و شوکت کے سادگی سے ہال میں داخل ہوا اور سیدھے پلاٹ فارم  
پر پہنچ کر نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد حافظ وہبیہ نے  
ایک تقریر پڑھی جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

”میں نے آپ حضرات کو جہاز کی اخلاقی اور مذہبی

بہتری پر غور کرنے اور اس کے متعلق آپ کے مفید  
مشورے طلب کرنے کے لیے زحمت دی ہے تاکہ

خدا اور بندگان خدا دونوں خوش ہوں“

اس کے بعد ابن سعود فوراً ہی اسی تیزی سے واپس ہوا  
جس تیزی سے داخل ہوا تھا۔ اس کے چھے جانے کا مقصد یہ تھا  
کہ نمائندے دل کھول کر بحث کریں۔ حافظ وہبیہ کی تقریر سے  
ابن سعود کا پورا منشاء طاہر ہو چکا تھا۔ وہ صرف نمائندوں سے

مشورے چاہتا تھا اور آخری فیصلہ کا حق محفوظ تھا ۔ ابن سعود جہاز کے انتظامی یا سیاسی معاملہ میں کسی کی مداخلت نہیں چاہتا تھا کیونکہ پہلی وفعہ جب اس نے نمائندوں کو دعوت دی تھی تو اس کی جداگانہ صورت تھی، اب تو وہ جہاز کا حکمران تھا ۔

اس سلسلے میں کئی مباحثے ہوئے ۔ اکثر میں ابن سعود نے بھی شرکت کی ۔ ابن سعود پر طرح طرح کے سوالات کیے گئے اور وہ ان سب کا جواب دیتا گیا ۔ ایک مباحثہ میں ایک نمائندے نے یہ سوال اٹھایا کہ ابن سعود کو سلطان الجہاز بننے کا کیا حق حاصل ہے؟ اس پر ابن سعود نے اس نمائندے کو جواب دیا ۔

”کیا آپ میں سے کوئی ایسا ہے جو اس ارض مقدس میں امن قائم رکھنے یا اسے بیرونی حملوں سے بچانے کی ضمانت دے سکتا ہے؟“

اس سوال پر کسی کی گردن نہ اٹھی تو ابن سعود نے نہایت سنجیدگی سے کہا ۔

”تو پھر میرا فرض ہے کہ یہاں کا سلطان بنوں ۔ صرف میں ہی اس سر زمین میں بحیثیت ایک آزادگر کے حکومت کر سکتا ہوں؟“

اس کے بعد ابن سعود نے پھر سے ایک مرتبہ اپنے مانی الغیری نمائندوں کو آگاہ کر دیا اور کہا

” میں نے آپ کو صرف اس لیے زحمت دی ہے کہ  
آپ حضرات اس ارض مقدس کو اسلامی تہذیب کا  
گہوارہ بنانے سے متعلق مشورہ دیں ۔ اس سے آگے  
جانے کی چند اس ضرورت نہیں ۔“

ابن ناائدوں نے جدہ سے مکہ تک ریل ڈالنے کی صلاح  
دی ۔ ابن سعود نے اسے بہت پسند کیا اور خود اس کا انتظام کرنے  
کا ارادہ ظاہر کیا ۔ اس کے بعد نائدوں نے کہا کہ ہم لوگ اپنے  
اپنے ملک سے کثیر رقم جمع کر لیں گے اور حاجج سے جو آمدنی وصول  
ہوتی ہے اگر وہ بھی ہمارے ہاتھ میں دیدی جائے تو اس مشترک رقم  
سے جمازیں اصلاحی کام کا آغاز ہو سکتا ہے ۔ ابن سعود سمجھ گیا کہ یہ سب  
باتیں ہی باتیں ہیں ۔ اس نے کہا کہ اچھی بات ہے ۔ آپ لوگ  
پہلے اپنے فند جمع کر کے مجھے بتلائیں پھر میں آپ سے حج کی آمدنی  
سے متعلق لفتگو کروں گا ۔

ابن سعود کو پہلے ہی اطلاع مل جی تھی کہ یہ نائدوں سے خود اپس  
میں عمر بھرتک متفق الخیال نہیں ہو سکتے ۔ ایسا ہی ہوا ۔ کانگریس کے  
اجلاس کیا ہوتے تھے ، اچھا خاصاً ذگل بن جاتا تھا ۔ اس کی وجہ  
یہ تھی کہ نائندے اصل مقصد سے ہٹ کر جزئیات پر زور دیتے  
اور انہی کے تصفیہ میں ابھے رہتے تھے ۔ چنانچہ ترکی نائندہ کے  
دیر سے آنے کی وجہ سے جمازی نمائندہ کو کرسی صدارت دی گئی تھی ۔

---

جب ترکی نمائندہ آگیا تو مطالبہ کیا گیا کہ ججازی کو ٹاکر ترکی نمائندے کو اس کی جگہ دی جائے ۔ بعض نمائندوں نے اصرار کیا کہ بحث و مباحثہ اردو یا انگریزی میں ہوتا تو دوسروں نے عربی کے لیے زور دیا ۔ وہی عقائد کے متعلق تلخ بخشیں ہوئے تھیں ۔ کانگرس کے انتظامات پر نکتہ چینیاں کی گئیں ۔ بعض مالک نے مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اس لیے کانگرس میں ہمارے نمائندے زیادہ ہونے چاہیں ۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرس سے اس کے بجائے کہ کوئی سودمند نتیجہ نکلتا اٹی بخش پیدا ہو گئی ۔

ابھی یہ قصہ چکنے نہ تھے کہ ایک نیا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا ۔ یہ جج کا زمانہ تھا ۔ مصری قاہرہ سے محلہ لارہے تھے ۔ اس کے ساتھ مصریوں کا فوجی دستہ اور ایک جنگی توپ بھی تھی ۔ دستور یہ تھا کہ محل کو جج کے دن وادئی اربع سے ہوتے ہوئے قصہ بینا

---

لے محل ایک مستطیل ڈبے ہے جس کے اوپر کا حصہ ڈیرے کے اندھہ ہوتا ہے ۔ اسے اونٹ پر رکھ کر ہر سال مکلا لایا جاتا ہے ۔ اس کے ہمراہ صلح مصری فوج اور توپیں ہوتی ہیں ۔ اس محل کی اصل یہ ہے آج سے چھ سو سال قبل محل مصری ملکہ ملکہ شجرہ الدُّد کی سواری تھی ۔ اب قدیم دستور کے مطابق مصری گنج اسے اپنائیں بنانکر ساتھ لاتے ہیں ۔

سے گذر عرفات کے پہاڑ پر لے جایا جاتا تھا۔ مصری محل کو عرفات لے جا رہے تھے۔ رستہ میں انہوں نے مینا پر قیام کیا کیونکہ ان کے اکثر ساتھی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ جہاں کا اثر دعام تھا۔ سب کو آسانی سے ایک جگہ جمع کرنا مشکل کام تھا اسی لیے مصری سپاہیوں نے اپنے آدمیوں کو اطلاع دینے کے لیے محل بجانی۔ وہاں اس پر گزر بیٹھئے۔ یہ لوگ موسیقی کے سر سے خلاف تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کا ایک گروہ محل کے قریب آگر اس کا مضجع کرنا شروع کیا۔ کسی نے کہایا بتے ہے، مصری باجا بجا کر اس پوچا کہ رہے ہیں۔ چند آدمیوں نے محل پر پھر برسائے۔ جمع آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ مصری فر ہے وہاں کو ہٹ جانے کے لیے کہا میکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور بدستور پھر برساتے رہے۔ مصری افسر کو بہت غصہ آیا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاو، ایک دم گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ جس سے بھیس آدمی اور چالیس گھوڑے ملاک ہوئے اور ایک کثیر تعداد نہ خی ہوئی۔

اس حادثہ کی خبر آن واحد میں چوڑف چھیل گئی بخدا اور الاخوان اپنے بھائیوں کو مدد دینے کے لیے جوچ درجق آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے مینا میدان کارزار بن گیا۔ ابن سعود مینا کے باہر اپنے خیمه میں بیٹھا ہوا تھا۔ گولیوں

کے چلنے کی آواز سن کر اس نے اپنے رٹکے فیصل کو تیزی کے ساتھ رو انہ کیا۔ فیصل نے یہاں آگر دیکھا تو معاملہ بہت اہم اور نازک ہو گیا تھا۔ اس سے کچھ بن نہ پڑی۔ فوراً اس نے اپنے والد کو امداد کے لیے بلا بھیجا۔

ابن سعود نہایت سرعت کے ساتھ موقع پر پہنچ گیا اور مجع کو چیڑتا پھاڑتا ہوا مصری افسر کے قریب جا کر کہنے لگا۔  
”تم نے کس حق کی بناء پر یہ قتل و خون کیا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس ملک میں ایک حکومت ہے اور اس کا ایک قانون بھی ہے۔ میں حکمران ہوں۔ اگر تم مجھے اس کی اطلاع دیتے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔“

ابن سعود غصہ سے کانپنے لگا۔ چاہتا تو مصریوں کا خاتمه کر دیتا۔ مگر صبر و ضبط سے کام لے کر کہنے لگا۔

”یعنی کی جگہ نہیں ہے، یہ مقدس سر زمین ہے جس پر کسی کا خون بہایا نہیں جا سکتا۔ تم ہمارے مہمان ہو اور ہماری اماں میں ہو ورنہ کبھی کے اپنے کیے کی سزا بھگت یہ ہوتے۔“

یہ کہہ کر ابن سعود نے مصریوں اور الاخرا نیوں کے درمیان ایک فوجی دستہ چھوڑ دیا اور انتظامات اپنے رٹکے فیصل اور

---

اور حافظ وہیہ کے سپرد کر کے خود خیمه کو واپس لوٹ گیا۔  
مصریوں کی یہ حرکت ابن سعود کو سخت ناگوار گذری۔ وہ ملاؤں  
میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کا آرزو دمند تھا لیکن اس جھگڑے  
سے اس کا دل لوٹ گیا۔ اس کے علاوہ کانگرس بھی کچھ زیادہ کامیاب  
نہ رہی بلکہ محبت اور خلاص بڑھنے کی بجائے اُلٹے جھگڑے پیدا  
ہو گئے۔

# پندرہواں باب

## اصلاحِ حجاز

( ۱ )

جاز کے جنوب میں عسیر واقع ہے اور اس کے جنوب میں میں -  
یمن پر امام حیی کی حکومت ہے - میں اگرچہ ایک پہاڑی ملک  
ہے تاہم ساحلی علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں اچھی بارش ہوتی  
ہے اور وہ زرخیز بھی ہے - وہاں کے باشندے بڑے بہادر اور  
جنگجو ہیں - برخلاف اس کے عسیر غریب ملک ہے اور خانگی  
جھگڑوں کے باعث اس کی حالت بہت سقیم اور کمزور ہو گئی  
تھی - پہلے اس میں ایک ترکی فوج مقیم تھی لیکن تھوڑے دن  
بعد وہ بھی چل گئی - عسیر پر محمد ادریسی کی حکومت تھی، اس کے  
انقال کے بعد اس کا رٹا کا حسن ادریسی جانشین ہوا جو بہت ہی

---

---

نا اہل، کمزور اور بد نام شخص تھا۔ جماز کی فتح کے بعد ابن حود نے شمال کی جانب سے عسیر پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جنوب کی طرف سے امام حییٰ نے اس پر قبضہ جانے کی کوشش شروع کر دی۔ اس طرح ۱۹۲۶ء میں اہل عسیر کے آگے یہ سوال پیش ہوا کہ ساتھ دیں تو کس کا؟ ابن سعود کا یا امام حییٰ کا؟ ابن سعود کا پلہ بھاری تھا۔ اس کی بہادری اور انصاف کے چیز سارے اقطاع عرب میں عام ہوتے جا رہے تھے۔ اسی لیے اہل عسیر آنکھ بند کر کے ابن سعود کے ساتھ ہو گئے۔

اب مقابلہ ابن سعود اور امام حییٰ کے مابین تھالیکن اس قوت دونوں جنگ کے لیے تیار نہ تھے اس لیے انہوں نے آپس میں تصفیہ کر لیا کہ جو حصہ پہلے ہی سے امام حییٰ کے قبضہ میں تھا وہ تو ویسے ہی بحال رہے اور باقی پر این سعود کی حکومت ہو۔ اس طرح کا سمجھوتہ ایک طرح سے ابن سعود کے حق میں مفید ثابت ہوا کیونکہ ریاض سے نکلے ہوئے اسے کوئی دو سال کا عرصہ یہو کہا تھا، اہل سند میں ایک طرح کی بدگمانی ہیلیتی جا رہی تھی کہ جماز کی آمدنی کے لائق میں ابن سعود سند کو بھولتا جا رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ دولیش نے ابن سعود کے خلاف کارروائی شروع کر دی تھی۔ ہتھیار بھی اسی کا ساتھ دے رہا تھا اور یہ دونوں مل کر آل عجمان کو ابن سعود کے خلاف اکسار ہے تھے۔ مذکور یہی بلکہ فیصل بغداد

بھی اپنے بھائی کے ساتھ سرحدی قبائل میں جال پھیلا رہا تھا۔ ابن سعود کے حق میں یہ باتیں سخت مُضمر تھیں۔ ان حالات کے تحت عبدالرحمن اور مشیران سلطنت نے ابن سعود کو فوراً ریاض آنے کے لیے لکھ بھیجا۔ ابن سعود امام بھی سے معاہدہ کر کے فوراً ریاض پہنچا۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد ابن سعود سیدھا دربار کے میٹنگ میں داخل ہوا جہاں قبائل کے سردار اور دیگر اکا سلطنت جمع تھے۔ ہر شخص ابن سعود پر اعتراضات کرنے کے لیے تلا ہوا تھا لیکن جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا، کمرہ میں سناٹا چھا گیا۔ ابن سعود نے ان کی صورتوں کو دیکھ کر ان کے دلوں کی حالت کا اندازہ لگایا اور ہنایت سمجھی گی اور متنانت سے سب کو خوش آمدید کہا اور حسب عادت اپنا سیدھا ہاتھ بڑھا کر گرجتی ہوئی آواز میں تقریر کرنے لگا۔ حجاز کی فتح، حسین کی پسپائی اور حج بیت اللہ کے واقعات ہنایت موثر انداز میں بیان کیے۔ یہ مُن کرسب کے شکوک سفع ہو گئے اور سبھوں نے ہم آواز ہو کر ابن سعود کو مبارکباد دی۔ ابن سعود نے مسکراتے ہوئے سب کا شکرایہ ادا کیا۔ مجلس برخواست ہوئی اور سب لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

---

اس کے بعد ابن سعود نے چند دن کے اندر اکثر بڑے اور چھوٹے سکاؤں کا دورہ کیا اور اہل قبائل سے مل کر ان کے شکوک رفع کرتا گیا۔ اس طرح سے سب لوگوں کو مطمئن کر کے وہ پھر سے مکہ پہنچا تاکہ ضروری امور کا تصفیہ کرے۔

۳

حسین شریفؑ کے زمانہ میں جہاز کی حالت بالکل ابتر ہو چکی تھی۔ ہر طرف لوٹ مار، چوری، ڈاکہ کا بازار گرم تھا۔ مسافر بھی اطمینان سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ ہر سال اکیوں حاجی لقہہ اجل بنتے تھے۔ قتل و غارت یک معمولی سی بات تھی۔ خصوصاً عدم تنظیم کے باعث بے رحم بدویوں کے ہاتھ حاجیوں نے وہ مصائب اٹھائیں کہ عرصہ تک اس کی دہشت دلوں سے محفوظ ہو گی، کیوں نہ ہو؟ جہاں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا وہاں لٹیرے ہی راج کرتے ہیں۔

اسی لیے ابن سعود نے آگے سب سے پہلے مسافرن کی حفاظت اور امن عامہ کا سوال پیش کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہر شہر اور ہر گاؤں میں الاخوانی پولیس کے پہرے لگا دیے۔ شرعی سزاوں کی تفصیل کا اعلان کر دیا گیا اور عوام میں اس کا عین منظار ہر جی کیا گیا۔ اخوانی اہمی اور قانون کے معاملہ میں بڑے سخت ہیں۔ قانون کے آگے

وہ شخصیت، اثر، مال و دولت غرض کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ قرآن پاک ان کا قانون ہے اور اس کی پابندی کرنا ان کا مقدمہ فرض۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس انتظام سے بڑے بڑے لیڑے اور بدمعاش تک کا پہنچنے لگے اور قافلے وطنات خیر بڑی بات ہے: کسی ڈاکو کی یہ جراحت نہیں ہوتی کہ وہ تنہا آدمی پر حلہ کرے۔ ایک وہ زمانہ تھا جبکہ بڑے بڑے قافلے ایک منزل سے دوسری منزل تک جان پتیلی نہیں لے کر جاتے تھے اور کثیر رقم رشوت دینے کے باوجود کوئی شخص یہ موقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ صحیح و سالم اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکے گا۔ لیکن بخلاف اس کے آج ایک شخص تنہا عرب کے کسی خطہ میں بھی سونا اچھانتے ہوئے جا سکتا ہے اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے ناقہ لگا کے اس انتظام کے بعد ابن سعود نے حاجیوں کو ہر ہوئیں بہم پہنچانے کی طرف توجہ دی۔ بنی حرب حاجیوں سے روپیہ وصول کیا کرتے تھے۔ ابن سعود نے انہیں روک دیا۔ اور خود پیسہ وصول کر کے موڑوں اور اونٹوں کا انتظام حکومت کی جانب سے کرنے لگا۔ سڑکوں کا کام شروع کر دیا گیا، جا بجا پانی کے چشمے بنوائے اور دواخانے قائم کیے۔ مدینہ اور کلیہ سماج کی اصلاح کے لیے مکتبیاں بنائیں اور عام صفائی اور نماز کی پابندی کی نگرانی ان مکتبیوں کے اراکین کے ذمہ کر ددا

---

گئی ۔ بے نمازیوں کے لئے سزا مقرر کی گئی ۔ نماز کے وقت دو کاندار اپنی دو کانیں کھلی چھوڑ کر اطمینان سے مسجد چلے جاتے ہیں اور کیا مجال کہ ایک رتی بھی ادھر سے اُدھر ہو جائے ۔ کیا آج دنیا کی کوئی متہدہ قوم دیانت یا حسن انتظام کا کوئی ایسا نمونہ پیش کر سکتی ہے ؟

سب سے پہلے ابن سعود نے ججاز میں ایک مجلس عاملہ قائم کی اور اس کا صدر اپنے لڑکے فیصل کو بنایا ۔ اس کے بعد مکہ، مدینہ، جده، نیبوع اور طائف میں علیحدہ علیحدہ ذیلی مجلسیں قائم کیں اور ان سب کا تعلق صدر مجلس سے کر دیا اور ہدایت کر دی کہ ہر قسم کی اطلاعات فوراً صدر مجلس کو دی جایا کریں اور سب کا رروائیاں صدر مجلس ہی کے مشوروں پر کی جائیں ۔

اس زمانہ میں ابن سعود بہت کام کرتا رہا ۔ روز آنے اٹھا رہ گھنٹے مصروف رہتا اور بہت کم آرام لیتا تھا ۔ کار و بار میں مزید سہولت پیدا کرنے کی خاطر اس نے ایک موڑ خرید لی اور زیادہ تر موڑ ہی میں سفر کرنے لگا ۔ اس کی عمر اس وقت سیتالیس سال کی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اب بھی جوانوں کی طرح چست اور توانا تھا اپنے احکامات کی تعمیل کرانے میں بھی وہ پہلے کی طرح بہت سخت تھا ۔ اگر کوئی ذرا اش و پیغ کرتا تو بُری طرح اس کی خبر لیتا ۔ چنانچہ ایک دفعہ الاخوان کی

ایک جماعت کو مینبوغ پر محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حج کا زمانہ تھا، الاخوان کچھ بڑا نہ لگے۔ ابن سعود نے محافظہ دستہ کے ایک سپاہی کے پاس سے تلوار لے کر اسے نیام سے باہر نکالا اور کہا خدا کی قسم ہمیں مینبوغ جانا ہو گا۔ اگر تم میں سے ایک کو بھی یہاں دیکھوں گا تو اسی طرح اس تلوار سے ختم کروں گا جس طرح تمہارے اجداد کی خبری گئی ہے، چلے جاؤ۔“ الاخوان خاموشی سے سرنیجا کر کے چل دیے۔

اب ابن سعود اپنی حکومت کے دائرے کو وسیع کرنا چاہتا تھا، اس کے لیے ضرورت تھی کہ وزراء اور عہدہ داروں کا تقدیر کر دیا جائے۔ تنہا ابن سعود اس بوجہ کو کیسے سنبھال سکتا ہے اس مقصد کے لیے اس نے عہدہ داروں اور وزیروں کا انتخاب پہلے عرب سے کیا اس کے بعد مصر، عراق اور ترک کے بھی بعض سنجیدہ اور کارگزار مسلمانوں کی خدمات حاصل کیں۔ ابن سعود کو اپنے بیٹوں پر کافی اعتماد تھا با خصوصی لیعہ مسعود پر۔ ان دونوں میں ایک قسم کی کیسا نیت تھی، دونوں بلند قامت، تنومند، مستقل مزاج اور بہادر تھے۔ ابن سعود کی عدم موجودگی میں اس نے ریاض پر نہایت عمدگی سے حکومت کی اور اپل قبائل سے اس طرح کا برتاؤ کیا کہ سب اس سے محبت کرنے لگے۔ فتح حائل کے وقت بھی اس نے بہادری کے

خوب جو ہر دکھلائے تھے ۔ باپ کی طرح یہ بھی سخت مذہبی تھا ۔

» ۳ «

جاز اور بند کے باشندے ایک دوسرے کے مخالف تھے ۔  
جازی بندیوں کو وجہی کہتے تھے اور بندی جازیوں کو بدعتی ۔  
ایک طرح سے جازی روشن خیال تھے لیکن بندی سخت مذہبی ۔  
ابن سعود نے اسی لیے کہ میں وزارت خارجیہ فائم کی کہ ایک تو وہ  
جده میں رہنے والے بیرونی قولصلوں سے معاملت کر سکے اور  
دوسرے اس نے مک کو ریاض پر اس لیے بھی ترجیح دی کہ بندی  
مغربی اثرات اور بیرونی ممالک کے باشندوں کی آمد و رفت سے  
کہیں بہم نہ ہو جائیں ۔ اسی خاطر ابن سعود نے اہل بند کو ان  
معاملات سے دور رکھنا ہی مناسب خیال کیا ۔

ابن سعود بذات خود بہت روشن خیال تھا اور دنیا کی ترقی  
کے ساتھ خود بھی ترقی کرنا چاہتا تھا ۔ وہ کسی طرح قدامت پسند  
نہ تھا چنانچہ وہ کہا کرتا تھا

”میری تمام حکومت قرآن اور حدیث پر مبنی ہے ۔ ان میں  
کسی بگہ بھی ترقی کی حمافعت نہیں کی گئی ۔ اور نہ ہی ان میں  
مشیزی ، لاسکلی یا اسی قسم کی چیزوں کے استعمال کے امتناعی  
احکامات ہیں“

ابن سعود جانتا تھا کہ اگر عرب کو ترقی کرنا ہے تو پھر حدیث

آلات حرب کا استعمال کرنا اور دیگر ترقی یافتہ مالک کے دوش بدش کام کرنا اس کے لیے ناگزیر ہے ایک موقع پر اس نے دوران تقریر میں کہا "مسلمان اب خواب سے بیدار ہو رہے ہیں، انہیں دو حربوں کو اپنے قابویں رکھنا چاہیے، ایک تو خدا کے احکامات اور ان کی پر خلوص تعییل اور دوسرے طیارے اور موڑ جیسے مادی ہتھیار"

اہل جہاز کو تو اس میں پچھ تامل نہ تھا البتہ اہل بند اسے قبول نہ کرتے تھے۔ تاہم ابن سعود نہایت احتیاط سے اپنے خیالات سے انہیں روشناس کرتا گیا۔ اس میں امام اللہ کی سی جلد بازی نہ تھی۔ وہ ہر کام کو سوچ سمجھ کر کیا کرتا تھا۔ ہر عالم میں وہ علماء سے مشورے کرتا، پہلے ان کو رام کرتا اور پھر انہیں سے ان باتوں کی تحریک کر داتا تھا۔ پھر اہل بند کو دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ اس طرح سے ابن سعود نے آہستہ آہستہ یہ مہم سرکی اور ٹیلیگراف، ٹیلیفون، لاسکلی موڑ طیارے وغیرہ سے اپنے لوگوں کو روشناس کرایا۔

اس کے بعد قرآن حکیم کو پیش نظر کر کر، اس نے علماء کے مشوروں سے ملکی قانون مدون کیا۔ جہاز اور بند کو علیحدہ علیحدہ صوبے قرار دیا۔ سعود کو بند کا وائسرائے اور فیصل کو جا زکا وائسرائے بنایا اور خود ان دونوں کا ختماں بن گیا۔ لیکن اس

اقتدار حکومت کے باوجود اس نے اپنی پالیسی نہیں بدی بلکہ تمام مذہبی معاملات میں علماء سے مشورہ کرتا رہا البتہ ملکی اور سیاسی معاملات میں وہ زیادہ تر اپنی رائے پر کلام کرتا تھا۔ روسیوں نے ابن سعود کی حکومت اور اس کی سلطنت کے نظم و نسق کو دیکھ کر اسے ججاز کا شہنشاہ تسلیم کیا۔ اسی طرح آنگریزوں، فرانسیوں اور جرمنوں نے بھی اسے بخدا ججاز کا سلطان تسلیم کیا۔ اسی طرح یمن اور ریاستانِ اعظم کے تھوڑے سے جنوبی حصہ کو چھوڑ کر ابن سعود تمام عرب پر۔ بحیرہ قلزم سے خلیج فارس تک اور ریاستانِ اعظم سے شام کی سرحد تک قابض ہو گیا۔

# سولہواں باب

## بغاویں

۱

جب ابن سود کی شہرت مراجِ کمال پر بہنچ گئی اور ہر طرف سے اسے اطمینان ہو گیا تو پھر سے نئے نئے فتنے برپا ہونے لگے۔ یہ فتنے اسی زمانہ میں جڑ پکڑ کے تھے جبکہ ابن سود حماڑی تھا۔ اس کی واپسی کے بعد معاملات بڑی حد تک سُلپھو چکے۔ تاہم دویش اپنی ریشہ دوانیوں کے جال برابر چیلائے جا رہا تھا اور اپنے ساتھ قبائلِ مطیر اور الاخوان کے چند لوگوں کو کہ ابن سود سے اپنی ہتھ کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ آل مطیر ابن سود سے اس لیے نالاں تھے کہ اس نے مدینہ میں انہیں لوٹ مار کر قتل و غارت سے منع کیا تھا۔ ہتلان عجمانی بھی اسی طرح اپنی شکتوں کا

انتقام لینے کے لیے تلا ہوا تھا۔ قبل عتبہ کاشیخ، بجاد، ابن سعود سے اس لیے خفاظا کہ ابن سعود نے مجازیوں کے ساتھ نرم برتاؤ کیا حالانکہ اس کے خیال کے مطابق تمام مجازیوں کے ساتھ طائف والوں کا سا برتاؤ کیا جانا چاہیے تھا۔ ہتلان اور بجاد نے دویش کا ساتھ دیا کیونکہ دویش کی ماں عجمانی عورت تھی اور اس کی بیوی کا تعلق عتبہ سے تھا۔ اس طرح یہ تینوں ایک حیثیت سے رشتہ دار تھے۔ دویش کے لیے اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی تھی۔ اس نے ان دونوں کو ارطا دیہ بلا کر مشورہ کیا اور ابن سعود کو داشت کر ایک خط لکھا کہ اس کے تمام افعال غیر مذہبی ہیں، مجازیں وہابی زندگی پسیدا کی جانی چاہیے، ٹیلیفون، لاسکنی، طیارے وغیرہ سب نیست و نابود کر دیے جائیں، تباکو پر جو تائیں لگایا جاتا ہے اور حاجیوں سے جو رقم لی جاتی ہے وہ یک سخت بند کر دی جائے۔ اہل عراق کے خلاف جہاد کا حکم دے دیا جائے کیونکہ فیصل انگریزوں کا آئا کار ہے اور عراقی بالعموم بخدي قافلواں کو لوٹ کر طرح طرح کی مکالیف دیا کر تے ہیں۔

یہ خط پڑھ کر ابن سعود غصہ کے مارے کا نینے لگا لیکن ایسے موقوں پر وہ جلد بازی سے کام نہیں لیتا تھا۔ دویش اور اس کے ناعاقبت انڈیش ساقیوں کا یہ ہجہ، ابن سعود

جیسے مقتدر حاکم کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ کوئی دوسرا اس کی جگہ ہوتا تو درا بھی شش و پیغ کیے بغیر دویش کو اس کی اپنی طفلا نہ حرکت کا مزہ چکھا نے کے لیے تیار ہو جاتا لیکن ان سعو نے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے غور کیا کہ اگر ان لوگوں کی کھلی خالیت کی کوئی تو یقیناً وہ عرب کے نصف حصہ کو اس کے خلاف اکسادیں گے۔

منافقین کی قوت کو توڑنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان میں خود آپس میں چھوٹ ڈال دی جائے۔ بجاد سید حا سادھا مسلمان تھا علماء کے ذریعہ اسے ٹھیک کر لینا کوئی ایسا زیادہ مشکل نہ کام نہ تھا۔ البتہ ہتلان سے صفائی ناممکن تھی کیونکہ وہ ابن سعود کا سخت دشمن تھا۔ بہر حال ابن سعود نے ہنایت سنجید گی کا جواب دیا کہ یہ سارا معاملہ علماء کی مجلس میں ان کی رائے کے ساتھ پیش کرو یا جائیگا۔ دویش، ابن سعود کی اس پالیسی کو سمجھ گیا۔ اور فوراً ہتلان اور بجاد کو بلا کر بھٹکانا شروع کیا کہ ابن سعود نے عراقیوں سے معاملہ کر لیا ہے، وہ انگریزوں کا دوست ہے اور ان کے ساتھ مل کر بغداد سے مکہ تک ریل کی پٹری ڈالنے کا خیال رکھتا ہے۔ اس طرح سے ریاستان کی آزادی سلب ہو جائیگی، نیز اس صورت میں ابن سعود نے انگریزوں کو سخید کا نصف حصہ دینے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

اس اثناء میں ابن سعود نے دویش کو اطلاع بھیجی کہ وہ

---

---

ریاض اگر علماء کے آگے اپنے اعتراضات پیش کرے۔ دویش  
بادل ناخواستہ ریاض آیا۔ اس کے ساتھ تین سو بھادر جنگجو  
ہر کاپ تھے۔

ابن سعود نے شاہی محل کے میدان میں دویش سے ملاقات  
کی۔ اس کے بھی سپاہی سلح اور ہر طرح سے تیار تھے۔ لیکن  
اس وقت ابن سعود دویش کے آگے بالکل تنہا کھڑا ہوا تھا۔  
آتے ہی اس نے پُر زور الفاظ میں ابن سعود سے گفتگو شروع  
کر دی اور ایک ایک کر کے اس کی خامیوں کو گنانے لگا اور  
عراق کے خلاف جہاد اور محسول خانوں اور ٹیلگراف اور ٹیلیفون  
کو برخاست کر دینے کا ہدایت شد و مد سے مطالبہ کیا۔ ابن سوڈ  
آہستہ آہستہ دویش کی باتوں کا جواب دے رہا تھا جس کا نتیجہ  
یہ ہوا کہ دویش بھی نرم پڑتا گیا۔ بالآخر ابن سعود نے علماء کو  
بلوایا، دویش اور اس کے ساتھیوں نے ان کے آگے اپنے  
اعتراضات پیش کیے۔ جس پر علماء نے تصفیہ کیا کہ محسول اڑا  
ریا جائے اور جیاز پر وہابی حکومت قائم ہو۔ ٹیلیفون کے متعلق  
انہوں نے کہا اس کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر  
نہ ہو تو اور بھی اچھا ہے، اب رہا جہاد کا مسئلہ، تو اس کے  
متعلق علماء نے کہا کہ یہ مسئلہ ابن سعود سے متعلق ہے کیونکہ  
وہ امام وقت ہے۔

ابن سعود نے علماء کی ایک بات بھی نہیں کافی بکھہ فو را  
ان کے تصفیہ پر عمل شروع کر دیا۔ حجاز میں وہاںی حکومت نہ کر دی۔ مدینہ سے باہر جو لاسکی اسنسیشن بننے تھے، انہیں  
توڑ دیا اور جہاد کے متعلق اپنی رائے مخالفت میں در دلیل  
دوشیز اس سے اب بھی نہ ارض ۱۰۰۰ نو جبکہ کافی ۱۰۰۰ فوج  
کیا جس پر ابن سعود نے فوراً علماء کو لے کا با بیویا ہے پت علماء کے  
تصفیہ کے خلاف تھی۔ عمار دوشیز کی س ترکت پر بہت  
بگڑے اور قبائل کے ملاوں تو کہہ بھیا کہ وہ اپنے قبائل کو دوستی  
کے خلاف انجھاریں۔ چنانچہ یہ ہوا۔ اکثر قبائل دوستی کے  
مخالف ہو گئے اور خود قبیلہ مظہر میں دو گردہ ہو گئے ایکتے  
ابن سعود کے موافق اور دوسرا دوشیز کے موافق۔ اس طریقے  
دوشیز کی قوت پارہ پارہ ہونے لگی اور ابن سعود بھی یہی چاستا۔

۳۲

بھی ابن سعود، دوشیز کی جڑیں کھانے میں نصہ دے رہا  
نہ ایک نیا شکوفہ کھلا۔ کاکس سے ابن سعود کا یہ معاہدہ بوا خا  
کہ بخدا اور عراق کے مابین حد قائم کی جائے اور ایک جنگیہ بالغ  
آزاد رہے تاکہ دونوں سے استہ باری کر سکیں نیز اس ملائکت  
میں کوئی قلعہ وغیرہ تعمیر نہ کیا جائے۔ لیکن ۱۹۴۲ء میں بھارتیہ اور  
لئے انگریزوں کی مرضی کے مطابق اپنے آدمی روائی کے دہ

۳۱

بوئی کے چشموں کے پاس ایک پولیس اسٹیشن تعمیر کریں ۔ یہ چشمے اس آزاد علاقہ میں واقع تھے ۔ پہلے ہی سے مطیر عراق نے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے، اب جو انہوں نے عراقیوں کو اپنی آزادی میں حاصل دیکھا تو حملہ ہی کر پڑھئے اور کئی مزدور اور سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیے ۔ انگریزوں نے بغداد کی طرف داری کی اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ قبائل مطیر پر بم بر سلنے لگے ۔

دویش کو تواب موقع ملا ۔ وہ فوراً عراق پر دس پانچ جنگے کر کے بہت سامال غنیمت لوٹ لایا ۔ ہر دفعہ انگریزوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس طرح سے کئی گاؤں تباہ و بر باد ہو گئے ۔ یہ حال دیکھ کر آشنا قبائل دویش کے ساتھ ہو کر عراقیوں اور انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے ۔ دویش نے ایک بڑی کافی بے قاعدہ فوج کے ساتھ پڑتے پانی میں عراق پر حملہ کر دیا اور جو بھی راستہ میں ملا اسے قتل کر دیا ۔ کئی گاؤں تباہ کر دیے گئے اور بھروسے بن کے بن کاٹ ڈالے اور قبیلہ جو اسیں کے تین سو آدمی قتل کر ڈالے ۔

انگریز ہوائی جہازوں سے اس کا پیچھا کرتے ہوئے بند کے علاقوں میں ار طا دیہ تک پہنچ گئے ۔ اس اشار میں دویش نے کوہیت کو اللاح بیسی کہ بند رگاہ کو اس کے لیے چھوڑ دیا جائے

ورش کویت پر بھی حملہ ہو جائیگا لیکن اہل کویت نے اس کی ایک نہ سنبھالی اور دروازے بند کر لیے اور انگریزوں نے ان کے لیے ایک جنگی جہاز روانہ کیا۔ عراق کی سرحد پر تمام قبائل دویش سے خوف زدہ تھے، مطیر بھی بے قابو ہو گئے، عجمان بھی تیار ہو گئے اور بجاد تین ہزار آدمیوں کو لے کر پہنچ گیا۔

۳

اس وقت ابن سعود ریاض میں تھا، جیسے ہی اسے یہ خبر ملی وہ سمجھ گیا کہ اس وقت بہت جلد معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے ورنہ خود کے حق میں بُرا ہو گا اور خواہ مخواہ انگریزوں سے جنگ کرنی پڑیگی اور سارا عرب پھر سے جنگ وجدل، لوث مار کا بازار بن جائیگا۔

ابن سعود نے بغداد میں انگریزوں کے پاس ایک خط روانہ کیا اور معاملات کی کیسوئی کے لیے فوراً ایک کانفرنس منعقد کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور ادھر بڑی مشکل سے بجاد کو حلہ سے روکا۔ دویش بھی موقع کی نزاکت کو سمجھ گیا اور ابن ہود کے کہنے کے مطابق خاموش رہا بلکہ اپنی عقیدتندی کے اہمہار کے لیے اس نے تھوڑا بہت لوٹا ہوا مال بھی والیں کر دیا۔ انگریزوں نے سرگلبرٹ کلے ٹن کو جدہ روانہ کیا۔ لکھنؤں نے دویش اور اس کے حملوں کی سخت شکایت کی۔ ابن سعود

بھجو ایا کہ اگر یہ معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو وہ سب ایچہ ٹھیک کر دیکتا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ عراقیوں اور شمریوں کو بمعابرہ کے خلاف بوسی پر پولیس اسٹیشن بنانے کی کیا ضرورت نہیں، دوسرے انگریزوں کو اس کا کیا حق تھا کہ باوجود امن و صلح ہ معاملہ ہو لینے کے جواہروں نے طیاروں کے ذریعہ عرب کے اشہر فرٹ کو نقصان بہنچا یا۔ اس کے بعد ابن سعود نے صاف تند دیا کہ طیاروں پر سے پرچے چینک کر دھکیاں دینے سے کیا حاصل جگہ اس قبائل پڑھنا نہیں جانتے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت تو اکثر قبیلے میرے ہاتھ میں لیکن یہی طرزِ عمل رہا تو وہ کسی کی نہ سینگے اور مرتبے دم تک حمل کرتے ہوئے عراق کی طرف آگے بڑھتے جائیں گے اور ایسا حملہ کر گیا کہ پھر کوئی قوت ان کو روک نہ سکیگی۔

تمام موسوں گردا ابن سعود اور کلے ٹن کے درمیان یہی گفتگو ہوتی رہی لیکن سب لا حاصل۔ عراقی پولیس اسٹیشن بنانے کے لیے تھے ہوئے تھے انگریز بھی اس پر زور دے رہے تھے لیکن ابن سعود نے اس کی اجازت نہیں دی۔ بالآخر جم کا زمانہ آگیا اور ابن سعود جم کے لیے مکہ گیا۔ مکہ جانے سے اس کا دوسرا مقصد ہے بتانا بھی تھا کہ وہ اس معاملہ کو کچھ زیادہ ہم نہیں سمجھتا حالانکہ معاملہ بہت چیز پر ہ اور اہم تھا۔ اس کا نقش

سے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دولیش پھر سے قبائل کو ابن سعود کے خلاف بھٹکانے لگا۔ خود اہل قبائل بھی بے چین سے ہو گئے حتیٰ کہ علماء بھی جہاد کے مسئلہ پر غور کرنے لگے۔ اسی اثناء میں عبدالرحمن کا بھی انتقال ہو گیا اور علماء پر جو دباؤ اور اثر تھا وہ بھی جاتا رہا ہے۔ صورت حال بالکل نازک ہو گئی۔

جہاز میں بھی بدامنی پھیلنے لگی۔ آل حرب اپنے حقوق کے لیے رڑا رہے تھے۔ دولیش کے لوگوں نے انہیں اور اگسایا۔ شرق اردن میں عبداللہ، ابن سعود سے اپنے باپ کا انتقام لے کو سر زمین جہاز کو اپنے قبضہ میں لانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کر رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے فیصل بیگداد کی مالی امداد سے اس نے قبائل روئیلہ میں بے چینی پیدا کر دی۔

اہل جہاز بھی یہ رنگ دیکھ کر بدل گئے۔ انہیں حسین کا زمانہ یاد آگیا جب کہ لوٹ مار، بیٹے بازی سے حاجیوں کا سرمنڈھ کر عیش منایا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بھی خفیہ سازشیں شروع کر دیں۔ ابن سعود نے ان سازشوں کے قلع قمع کی گئی شروع کر دی اور سولہ سازشوں کو شہر پر کر دیا۔

اسی دوران میں اطاالیوں کی ہمت افزائی پر امام بیگی نے بھی عسیر کو دھکی دی اور اس پر قبضہ جما کر ابن سعود کو وہ سے بے دخل کرنے کی کوشش کی۔

یہ سب کچھ تھا لیکن ابن سعود کو خوف صرف اپنے ہی لوگوں کا تھا یعنی اہل سجد سے۔ اگر وہ بدل جاتے تو پھر یہ کہیں کا نہ رہتا۔ یہ سوچ کر ابن سعود نے تمام سجد میں پرولنے رواثہ کیے اور ہر جگہ سے نمائندے بدلے تاکہ ریاض میں ایک بڑا جلسہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔

۲۱

ریاض کے بڑے محل کے میدان سب لوگ جمع ہوئے۔ علماء، مبلغین، امراء، شیوخ، سردار، عامل، گاؤں کے سربرا آورده لوگ وغیرہ وغیرہ۔ سب آئے لیکن بجاوں ہنگام اور دویش نے شرکت نہیں کی اس سے صاف ان کے مافی الفی اور کھنڈی خالفت کا پتہ چلتا تھا۔ جب سب لوگ میدان میں جمع ہو گئے، ابن سعود محل کی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گیا۔ ان کے سامنے ایک کشیر جمع تھا اور ہر شخص اس کے متعلق کچھ نہ کچھ اعتراض رکھتا تھا۔ یہ موقع ابن سعود کے لیے واقعی ذاتی ثابت و وجہ است کی نمائش اور اثر آفرینی کا موقع تھا۔ ابن سعود نے سب کا نہایت ممتاز اور خنہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور اپنی تقریر مشروع کر دی۔

”خدا سب سے بڑا ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ جس وقت میں ہمارے پاس آیا، تم لوگ کس قدر ایک دوسرے سے علیحداً

تھے اور کس طرح ایک دوسرے کو لوٹ مار کر کے قتل کیا کرتے تھے۔  
جن لوگوں کے ہاتھ تھیاری حکومت کی باغ تھی۔ خواہ وہ عرب  
ہوں کہ غیر ملکی، تھیارے خلاف سازش کرتے رہے، انہوں نے  
تھیارے درمیان تفرقے ڈالے تاکہ تھیارا اتحاد لوٹ کر تھیاری  
وقت پارہ پارہ ہو جائے۔ میں جب تھیارے پاس آیا، کمزور  
تھا۔ سوا اسے خدا کے اور کوئی میرا مددگار نہ تھا کیونکہ تم سب  
جانتے ہو کہ میرے پاس صرف چالیس آدمی تھے۔ تاہم تم  
سب واقعہ ہو کہ میں نے تم میں کس قدر اتحاد اور یگانگت  
پیدا کر دی۔

”میں نے کسی سے ڈر کر تھیں یہاں طلب نہیں کیا ہے۔  
پہلے بھی مجھے خدا پر بھروسہ تھا اور اب بھی ہے۔ میں دشمن  
کی فوج سے ذرا بھی نہیں ڈرتا کیونکہ خدا نے مجھے کامیاب بنایا  
ہے۔ خدا ہی کا خوف تھا جو میں نے تھیں طلب کیا ہے.....  
میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں میں سے اکثر کو میرے اور میرے  
عاملوں سے متعلق اعتراض ہے۔ میں اعتراضات کو سنتا  
چاہتا ہوں تاکہ اگر کچھ غلطیاں ہوئی ہوں تو پھر ان کا تدارک  
کیا جاسکے۔ اس سے خدا کی نظر وہ میں بھی میں اچھا ہوں گا  
..... ہاں اس سے قبل اس امر کا تفصیل کرلو کہ آیا تھیں میری  
قیادت پسند ہے کہ نہیں۔ اگر پسند نہ ہو تو پھر دوسرا کون ایسا

ہے جو میری جگہ یہ کام کر سکتا ہے۔ کوئی شخص اپنے قوت بازو سے میری شخصیت کو دھکا نہیں پہنچا سکتا، میں خود خوشی سے اپنے کو تمہارے آگے پیش کر رہا ہوں تھیونکہ میری خواہش یہ نہیں ہے کہ میں اس جماعت پر حکومت کروں جو مجھ سے ناراض ہے۔

”دیکھو تمہارے سامنے میرے خاندان کے ارکین میں۔ انہیں میں سے ایک کا انتخاب کرو۔ تم جس کو منتخب کرو گے میں ایمانداری کے ساتھ اس کی امداد کروں گا اور میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو کوئی بھی ہیرے خلاف بولے گا اسے میں نہ تواب سزا دوں گا اور نہ آئندہ کبھی یہ۔

تقریر ختم ہونے کے بعد ابن سعود نے مجمع پر ایک متحسانہ نظر ڈالی۔ بسیوں نے ہر آواز بلند کرنا ”ہم سب راضی ہیں، ہم تمہارے سواء کسی کو اپنا قائد بنانا نہیں چاہتے“ اس پر ابن سعود نے کہا ”ہاں اگر کسی میری ذات سے اعتراض ہے..... تو میں خدا کو حاضر و ناظر جان کرو وہدہ کرتا ہوں کہ بلا خوف و خطر مجھے یہ وہ ظاہر کر دو اگر اعتراض معقول ہے تو میں اسے قبول کروں گا اور اپنے آپ کو قانون کا پابند کروں گا۔“ پس اے میری عزیز رعایا کہو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہو، مجھے تبلاؤ کہ لوگوں نے تمہارے قائد اور تمہارے

عہدہ داروں کے متعلق کیا نکتہ چینیاں کی ہیں؟  
اس کے بعد ان مختلف نمائندوں نے بہت سے اعتراضات  
کیے ابن سعود برابر ان کا تشفی بخش جواب دیتا گیا۔ یہ سلسلہ کئی  
روز تک جاری رہا۔ مقنائز فیہ مسائل پر علماء کے فتووں سے  
مدلی گئی۔ غرض ابن سعود نے ان سب کی خاطر خواہ تشفی کی  
اور سب لوگوں کے دل اس کی طرف سے صاف ہو گئے پہلے  
وہ دشمن بن کر آئے تھے اب جو شیئے دوست بن کر دیں گے۔

۵

جیسے ہی یہ خبر دولیش کو ملی، وہ سمجھ گیا کہ اگر اب ذری بھی  
ستی کی گئی اور ابن سعود نے اسے بے دخل کر دیا۔ اس نے  
فوراً ہتلان اور بحراں کا دیا۔ یہ سب مل کر عراق اور بحیرہ  
گاؤں پر دھاوا بولنے لگے۔ ابن سعود کے لیے اب یہ مناسب  
موقع تھا کہ وہ دولیش کی علاییہ مخالفت کرے۔ اس نے  
اعلان کر دیا کہ دولیش اور اس کے ساتھی یا غنی ہیں۔ اس کے  
ساتھ ہی حافظ وہبیہ کے ذریعہ اس نے انگریزوں سے معاملہ  
کر لیا۔ انگریزوں نے اسے امداد دینے کا وعدہ کیا کیونکہ وہ  
جانتے تھے کہ اگر عرب اس طرح بھٹک جائیں تو پھر ان پر  
قابل پامشکل ہو گا اور وہ ہمیشہ سرحد پر ٹنگ کرتے رہنے گے۔  
ساتھ ہی اس کے انگریزوں نے اس امر کا بھی انتظام کر دیا کہ

کویت، عراق اور مشرق اردن سے بھی باغیوں کو کوئی مدد نہ دی جائے۔  
ابن سعود نے جلوی کے ذریعہ عجمانیوں کی بھی سرکوبی کا انتظام  
کر دیا۔

ابن سعود کے لیے اب آدمیوں کا فراہم کرنا کوئی مشکل کام  
نہ تھا۔ اکثریت اس کی ہم نوا تھی۔ اس نے اطراف کے گاؤں  
سے لوگوں کو طلب کیا اور جب پندرہ ہزار آدمی جمع ہو گئے،  
تو ابن سعود نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کا  
سردار اپنے بھائی عبد اللہ کو اور دوسرے کا اپنے بیٹے سعود کو  
بنایا اور یہ فوج لے کر بریڈہ کے سامنے قیام کیا۔

کئی دن کی لڑائی کے بعد دولیش کو محصور کر لیا گیا۔ ابن سعود  
نے دولیش کے پاس اپنا قاصد روانہ کیا کہ وہ اس کے سامنے  
اکر اپنی باغیانہ حرکت کا جواب دے۔ دولیش نے انکار کر دیا  
جس پر ابن سعود نے عبد اللہ اور سعود کو حلہ کی اجازت دے  
دی۔ یہ اپنے آدمیوں کے ساتھ، برہنہ تلواریں لیے اس کے  
خیمہ کی طرف گئے دو گھنٹے تک لڑائی ہوتی رہی۔ دولیش کے  
لوگوں نے زور دار مقابلہ کیا لیکن ابن سعود کی فوج کے آگے  
ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ بالآخر دولیش بُری طرح زخمی ہوا اور  
اس کا بڑا لڑکا مارا گیا۔

دولیش کو گرفتار کر کے ابن سعود کے سامنے لا یا گیا۔ اس کے

ساتھ اس کی بیوی بیچھے اور خاندان والے زار زار رو رہے تھے۔ دویش میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ حرکت کر سکتا۔ اس کے پھوپھو نے ابن حود سے روکر جان بخشی کی استدعا کی کیونکہ کسی کو توقع نہ تھی کہ دویش معاف کیا جائیگا۔ ابن سعود نے پہلے بہت غصہ سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر مکیدم اس کا غصہ اتر گیا اور اس نے دویش کو معاف کر دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے ارطا ویہ پہنچا دیا جائے اور ساتھ ہی اپنے خانگی ڈاکٹر مدت کو اس کے علاج کے لیے روانہ کیا۔

ابن سعود نے ایک خاص مقصد کی تھت دویش کو معاف کیا۔ وہ صورت حال دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ مر رہا ہے۔ جب وہ خود ہی مر رہا ہے تو اسے مارنے سے کیا فائدہ ہے بلکہ اسے اسی کا نام ہو گیا کہ ایک بدمعاش اور باغی کے ساتھ بھی ابن سعود نے انتہا درجہ رحم سے کام لیا۔

اس کے بعد بجادگر فتار کیا گیا اور اسے جس دوام کی سزا دی گئی۔ دوسرے باغیوں کی بھی اچھی طرح سرکوبی کی گئی کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی گئی اور جس نے بھی مخالفت کی اسے موت کے گھاٹ آتا را گیا۔ اس طرح اس بغاوت کو فرو کر کے ابن سعود ج بیت اللہ کے لیے مکہ روانہ ہوا۔

لیکن بعافت کا ابھی پوری طرح خاتمہ نہیں ہوا۔ راکھ سے پھر شعلے اٹھنے لگے۔ دو لش جسم کا مضبوط اور دل کا قوی تھا۔ دن بدن وہ اچھا ہوتا گیا اور ابن سعود کی معافی کا شکر بہادرا کرنے کی بجائے وہ پھر سے مخالفت کے نیچ بونے لگا۔ اس کے ساتھی الاخوان ابھی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور ابن سعود کو نیست و نابود کرنے کے درپیٹے تھے۔ ہتلان اور دوسرے باعثی جو ابن سعود کے ہاتھ سے نیچ کر ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے، ایک ایک کر کے آئے اور قبائل کو اکلنے لگے۔ عجمان اور مطیر کے قبیلے پھر باعیوں کے ساتھ ہو گئے۔

جلوی نے اپنے رٹکے فنادکو باعیوں کی سرکوئی کے لئے روانہ کیا۔ فہاد نے موقع پا کر ہتلان کو قتل کر دا لیکن بہت چلد ایک عجمانی نے اسے بھی زندہ نہ چھوڑا۔ جلوی کو اپنے بیٹے کی موت کا سخت رنج ہوا اور وہ یکدم بیمار پڑ گیا جس کے باعث باعیوں کو احساء کے باشندوں نے بھٹکانے کا بھی موقع مل گیا۔

ابن سعود کو ان واقعات کی اطلاع مکہ میں ہوئی۔ وہ فوراً دوسوچھو بہادروں کے ساتھ موڑوں میں بیٹھ کر ریاض پہنچا اور ہنایت محبت کے ساتھ اپنی فوج فراہم کر لی۔ اب کی

دفعہ موڑوں کی وجہ سے ابن سعود کو دشمن پر اچانک حملے کرنے میں بڑی مدد ملی اور باغی اس سے سخت پریشان ہو گئے۔ وہ ایسی لڑائی کے لیے قطعاً تیار تھے۔ اس پریشانی کے عالم میں عراق کے سرحدیوں نے دولیش کے لوگوں پر حملہ کر دیا جس سے ان کی مہت اور بھی ٹوٹ گئی۔ جماینوں نے اپنے گھروں کا راستہ لیا لیکن عتیبہ پر قیام کر کے ابن سعود نے ان مغرور جنگجوں کی خوب خبری۔ لیکن دولیش برابر لڑائے جا رہا تھا، اسے کسی رحم و کرم کی امید نہ تھی۔ اب کی دفعہ بھی وہ سخت زخمی ہوا اور اس کا دوسرا لڑکا مارا گیا۔

یہ حال دیکھ کر وہ اپنے ساتھی مشہور اور باقی ماندہ فوج کو لے کر عراق کی سرحد کی طرف بھاگ نیکلا اور وادی بطن میں قیام کیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اتنا جلد اب یہاں کوئی نہ آسکیگا لیکن ابن سعود کے آدنی موڑوں میں بیٹھ کر اس کے تعاقب میں نکلے اور دولیش کی جماعت پر حملہ کر دیے۔

مشہور بھاگ کر عراق پہنچا اور وہاں سے شام ہنچ کر اس نے فرانسیسوں کے پاس پناہ مانگی۔ دولیش بھی کویت کی گلزار بھاگ نیکلا لیکن راستے میں انگریزوں نے اسے گرفتار کر کے ابن سعود کے حوالہ کر دیا جس نے اسے بجاد کے ساتھ ریاض کے قید خانہ میں قید کر دیا۔ اس دفعہ ابن سعود نے ذری بھی تھا۔

نہیں کی بلکہ باغیوں کو بُری طرح قتل کیا، ان کے گاؤں جلا دیے اور ان کی زمینات پر قبضہ کر لیا۔ نافرما بُردار الاخوان کو ایک زور دار و مکمل دی جس کے بعد کسی کو سراٹھانے کی تہمت نہیں ہوئی۔ ابن سعود نے کہا

”یہ نہ سمجھنا کہ ہم تمہاری قدر کرتے ہیں، یہ نہ سمجھنا کہ تم نے ہماری خدمت کی ہے اور ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری حقیقی قدر و قیمت اسی میں ہے کہ پہلے خدا کی طلاق کرو اور بعد ہماری ..... اور یہ نہ بھول جانا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا باپ، بھائی یا کوئی رشتہ دار ہماری تلواروں کا مزہ نہ چکھا ہو۔ ہم نے تمہیں تلوارے رام کیا ہے، وہی تلوار اب بھی تمہارے سروں پر ہے۔ یاد رکھو، دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہاری اور مٹی کی قدر برابر ہو گی۔ تم نے تم پر تلوار ہی سے کامیابی حاصل کی ہے اور تمہیں تلواروں ہی میں جکڑے رکھنے گے۔“

اس طرح بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ سہلان مارا گیا، بیحاد اور دوش قید گئے۔ ان کے بغیر اہل قبائل کیا کر سکتے؟ پھرے ابن سعود کا مران ہو گیا۔

# ستہواں باب

## موجودہ طرز حکومت

— ۱ —

یقچنہ ختم ہونے کے بعد ابن سودا سحکام سلطنت کی طرف اپنی پوری توجہ سے کام کرنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ علماء اور دہائیوں کی قدامت پرستی ترقی کے راستے میں روٹے الگاری ہے۔ موڑ، ٹیلیفون، ٹیلگراف، لاسکلی، ہوانی جہازوں اور دیگر مشینزوں کی اسے سخت ضرورت تھی۔ اب اس نے تہییہ کر لیا کہ کسی تاخیر کے بغیر یہ سب چیزوں مہیا کی جانی چاہیں۔

اس مقصد کے لیے اس نے مکہ سے باہر اور ریاض میں طاقتوں نزدیک گاہیں قائم کر دیں، ہر جگہ ٹیلگراف اور ٹیلیفون لگوادیے۔ لاریوں میں تک لاسکلی کے آلات نصب کر دیے گئے تاکہ وقارِ فرقہ حکومت کے

عمدہ دار ایک دوسرے سے بات چیت کر سکیں اور فون ج کو احکامات دینے جا سکیں۔ خود ابن سعود نے کئی موڑیں خریدیں اور اوروں کو بھی اس کے لیے مجبور کیا۔ ۱۹۲۶ء میں نصف درجن سے زیادہ موڑیں رکھیں اور ۱۹۳۶ء میں ان کی تعداد دیڑھ ہزار سے تجاوز گئی۔ ان کے لیے سڑکوں کا بھی انتظام کیا گیا۔

اس کے بعد ابن سعود نے بہت سچھ فوجی تنظیم کی۔ ایک باقاعدہ فوج بنائی اس فوج کو جدید آلات حرب کا استعمال تبدیل گیا۔ جنگی موڑیں اور طیارے خریدے گئے۔ اس دفعہ بھی الآخرنا کو بے قاعدہ فوج میں شرکایں کیا گیا کیونکہ یہ لوگ فوجی خدمات کے بہت اہل اور بہادر تھے۔ اب سلطنت کے تمام کام ٹلیفیون، میلگراف، لاسکلی اور موڑوں کے ذریعہ انجام پانے لگے۔ اس سے اتنا فائدہ ہوا کہ کسی کو سراہٹھا نے کی گنجائش نہ رہی۔ جہاں کسی نے سرکشی کی، فوراً اس کی اطلاع مل گئی۔ موڑوں کے ذریعہ فوج روانہ کی گئی اور وہ فتنہ دب گیا۔ چنانچہ آل حرب نے بخاوت کی، فوراً اس بخاوت کو دبایا گیا۔ حسن ادریسی نے عسیر میں بغاٹ کر دی اور اب وہ ابن سعود کی طرف کو توجہ کرنے والا ہی تھا کہ لاسکلی سے اس کی اطلاع مل گئی اور وہیں مدافعت کا انتظام ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی ابن سعود نے سرحدی ہلکٹ سے دوستانہ

تعلقات پیدا کر لیے انگریزوں نے اسے خود مختار بادشاہ تسلیم کیا اور جدہ میں اپنا ایک نمائندہ روانہ کیا۔ فیصل بعد اونے بھی مصحت کر لی۔ لیکن حسین کا بیٹا عبد اللہ اب بھی اسی طرح برہم رہا، وہ اب بھی ابن سعود کو حجاز سے نکال باہر کر کے اپنا قبضہ جانا چاہتا تھا لیکن جب ٹھوٹہ چل سکا تو مجبور ہو کر اس نے بھی دوستی کر لی جنہوں میں امام تھیں نے حسن اور یسی کی طرفداری کر کے ابن سعود پر حملہ کی وہکی دی۔ ابن سعود نے اپنے لڑکے سعود کی سرکردگی میں باقاعدہ فوج سرحد پر روانہ کر دی۔ ہمینوں کی خط و کتابت کے بعد امام تھیں نے بھی مصحت کر لی۔

جنگ وجدل سے فراغت پانے کے بعد ابن سعود نے اپنی رعایا کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ اس کے لیے پیسے کی سخت ضرورت تھی، عرب ایک غریب ملک ہے اور دنیا کی تجارتی کساد بازاری نے اسے اور بھی مفلس و نادار بنادیا۔ حجاج کی تعداد بھی بہت کچھ گھٹ گئی تھی تاہم ابن سعود نے اشہد کا نام لے کر کام کا آغاز کر دیا۔ سعودیوں کی پُرماں حکومت نے حجاج کے دل بڑھا دیے اور سال پر سال حاجیوں کی تعداد میں اچھا خاصہ اضافہ ہوتا گیا اور آمدی بھی کافی بڑھتی گئی۔

ابن سعود نے گاؤں اور شہروں میں سچوں کی تعلیم کے لیے مدارس کھول دیے، مصر اور شام سے اساتذہ بلوائے ان کے نصیباً

کا جزا دہ حصہ مذہبی تعلیم پر مبنی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ فنی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی جاتی ہے جا بجا دواخانے قائم کیے گئے اور سفری دواخانوں کا انتظام کیا گیا تاکہ ڈاکٹر گاؤں اور قصبوں میں دورہ کر کے معمولی علاج اور ابتدائی طبی امداد سے متعلق ہدایات دیں۔ آمدنی بڑھانے کی خاطر اس نے مکہ سے جدہ تک ریل ڈالنے کا گتہ ایک ہندوستانی کمپنی کو دے دیا۔ امریکین اسٹانڈرڈ اسیل کمپنی کو بھی ایک گتہ دیا اور دوسری کمپنیوں کو سونے اور دیگر معدنیات کو دیافت کرنے کا گتہ دیا۔

بدویوں لوکام پر لگانے کے لیے اس نے زراعت شروع کر دی۔ اس کے لیے پانی کی ضرورت تھی۔ ماہر ان فن کو بلوا کر اس نے خشی کھدوائے اور پہلے لگوائے جس سے بدھی زراعت کی طرف مائل ہو کر لوٹ مار کے دھنہوں سے بے نیاز ہونے لگے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ابن سعود نے اپنے لوگوں کے لیے امن و امان کی فضا پیدا کر دی اور ایک ایسی قوم کو جو سالہا سال سے خواب غفلت میں مددوہش پڑی ہوئی تھی، اچھی طرح سے جگا دیا اور ایک ایسے راستے پر ڈال دیا ہے کہ جس پر چلنے ترقی و کامرانی کی ضمانت ہے۔

— ۳ —

اب ابن سعود بجد اور حجاز کا سلطان ہے۔ اس نے اتنی

بڑی سلطنت اپنی قوتِ بازو سے حاصل کی۔ جہلہ کی منتشر جماعتیں  
کو ایک رشتہ میں منسلک کرنا، ان کو قدمات پسندی کے قدر بذلیت  
سے نکال کر تمدن قوم بنانا اسی کی قوتِ ارادی اور خلوص کا تجھے  
ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب کہ عرب کی سر زمین پر لوٹ مارا اور  
غار تگری کا بازار گرم تھا۔ سخت سے سخت جرائم کے لیے کوئی  
سزا نہ دی جاتی تھی۔ تعلیم و تعلم سرے سے مفقود تھے، گویا عز  
و حشیوں کا مسکن تھا۔ لیکن ابن سعود نے یکہ و تھنا اپنے وطن کی  
اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ قدم قدم پر وہ نا امیدیوں سے دوچار  
ہوتا گیا اور بسا اوقات اس نے جانکاہ مصیبیتیں جھیلیں لیکن  
ان سے اس کے عزم صیم اور استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔  
وہ اپنی دھن میں ناممکن کو ممکن بناتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے خدا  
پر کافی بھروسہ تھا بالآخر اس کا مقصد برآیا، اس نے عرب  
میں اب ایک ایسی حکومت قائم کر دی ہے جہاں خداوند کریم  
کے احکامات کی پابندی اس شدت سے ہوتی ہے کہ دوسری  
کوئی اسلامی سلطنت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چوری کے  
لیے ہاتھ کاٹ دینا، بوٹ مار پر سخت سزا میں دینا، قتل کے  
بدلہ قصاص، بے نمازیوں کو سزا۔ یہ سب اس دیار کے  
چلتے قانون ہیں جس پر آج ابن سعود کی حکومت ہے۔  
ان تمام باتوں کے باوجود ابن سعود کی زندگی سادگی کا

نمونہ ہے۔ شان و شوکت سے وہ کوسوں دور رہتا ہے۔ غلام ہو کہ امیر، ہر ایک کو عام اجازت ہے کہ اس کے آگے آ کر اپنے معاملات پیش کرے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ میساں برتاؤ کرتا ہے اور اس کے دربار میں، معاملہ کی حد تک کسی کو کسی پر فوکیت حاصل نہیں۔

بیرونی مالک کے لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت عمدہ ہے، باوجود مالی مشکلات کے اپنی سلطنت کا وقار قائم رکھنے کے لیے وہ لوگوں کو بہت ہی گراں قدر تھے دیتا ہے، سیاحوں کی دعوییں کرتا ہے، اور ہر شخص سے خواہ وہ کسی خیشیت کا ہو نہایت عمدگی سے ملتا ہے۔ اکثر مالک کے روسا و جب جج کے لیے مکہ جاتے ہیں تو این سعودیان کے لیے ان کی شان کے مطابق انتظامات کرتا ہے، اور حتی المقدور تھنے بھی روانہ کرتا ہے۔ عام طور پر بیرونی مالک کے حاجی اس کی حکومت سے خوش ہیں کیونکہ بدھی دور کے بعد سعودیوں کی حکومت آئیہ رحمت ثابت ہو رہی ہے۔

اگرچہ اس وقت اندر وہ بغاوتیں بہت بڑی حد تک فرد ہو چکی ہیں تاہم ابھی اس کے چند مخالف باقی ہیں لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں، آہستہ آہستہ وہ بھی رام ہو جائیں گے۔ چنانچہ حال ہی میں (۱۹۳۵ء) حج کے موقعہ پر چند یمنیوں نے

ابن سعود پر خبر سے حملہ کر دیا لیکن اس کے لڑکے اور دوسرے ساہیوں نے ان بدمعاشوں کو فوراً گرفتار کر کے قتل کر دالا۔ بہر حال ابن سعود خدا کے خوف اور خدا ہی کے بھروسہ پر اپنی حکومت چلا رہا ہے خدا کی کتاب اس کا قانون ہے۔ اور یہ حقیقی اسلام ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اشارہ

|   |        |                                   |
|---|--------|-----------------------------------|
| ابن سود سند کا امیر اور وہابیوں کا امام | ۱      | ابن رشید۔ ۱۵۵۰-۱۶۳۹، ۱۷۸۶-۱۷۵     |
| ۵۶                                      |        | ۱۵۵۰-۱۶۳۹، ۱۷۸۶-۱۷۵               |
| در گھوڑے سے گزر زخمی ہوا ۲۱             |        | ۱۶۰۶-۱۶۸۶-۱۷۵۹-۰۶                 |
| در کی مبارک سے پر تپاک ملاقا            |        | ۱۶۹۰-۱۶۹۶-۱۷۹۱-۱۷۹۲               |
| ۹۲                                      | ۱۱۵۱   |                                   |
| ر کا شکریہ سے معاہدہ حنفیہ              | ۹۱۸    | ابن سود کا بچپن                   |
| ۹۴                                      |        | ۹۱۸                               |
| ر اور بیوی کا حصارہ پیر گولی سے         |        | پر گھسیانی بخار کا حملہ           |
| زخمی ۱۰۳                                | ۱۹۱۸   | ر کی رعن الخالی میں وحشیانہ زندگی |
| ر نے میدان جنگ میں عقد کیا              | ۲۲     | -                                 |
| ۱۰۴                                     |        | کی پہلی شادی                      |
| ر کی پہلی ناکام مہم ۱۰۵                 | ۲۵     | کی پہلی ناکام مہم                 |
| ر کے خانگی حالات اور برتاؤ ۱۰۶          |        | کی سیاض پر چڑھائی کیلئے           |
| ۱۱۹                                     | ۲۳     | روانگی                            |
| ر نے حسین کو فکت دی ۱۲۱                 |        | کاریاض پر حملہ ۲۳-۲۹              |
| ر کی سریس کا کس سے ملاقا                |        | کارشیدیوں سے مقابلہ               |
| ۱۲۶                                     | ۵۳، ۵۱ | اور فتح                           |

|  |  |
|--|--|
| بریڈہ شہر پر ایک سو آدمیوں کو سولی<br>۳۱       | ابن سعوہ کا شہر پر چلہ اور ابن شہید<br>کی بیوہ سے حدود ۱۵۱ |
| بل ہے ون لارڈ ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۵، ۱۳۶، ۱۳۶          | " سلطان نجد ۱۵۲<br>" پر سرخ پادہ کا حملہ ۱۶۰               |
| <b>ت</b><br>ترکی، ابن سعوہ کا لارڈ کا ۱۳۶، ۱۳۶ | " نے ملاؤں کے آگے و دیش<br>کا معاملہ پیش کیا ۲۱۰           |
| <b>ج</b><br>جایز، مبارک کا بیٹا ۱۰۷            | " کی معرکتہ آلا را تقریر ۲۱۸، ۲۱۹                          |
| جلوی، ۳۰، ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰   | " پر بیشیوں کا حملہ ۲۲۱<br>احمد بیلیم کا لارڈ کا ۱۲۹       |
| جمال پاشا، ترکی گورنر ۱۱۰                      | احمد سودیری، ۷   |
| جو اسیر چڑھا ۳۹، ۴۸                            | اخوانی فوآبادیاں ۹، ۱۰                                     |
| جوہرہ ۱۳۸، ۳۶                                  | ابن بی ۱۱۱، ۱۰۹  |
| <b>ح</b><br>حافظ پاشا ۱۹                       | امان اللہ ۲۰۵  |
| حسن اور لیسی ۲۲۴، ۲۲۶، ۱۹۷                     | امریکن اسٹانڈرڈ ایگل کمپنی ۲۲۸                             |
| حسین جرداد ۵۵                                  | انجین انجینئر و ترقی ۲                                     |
|  | <b>ب</b>   |
|  | بجاو، شیخ عقیبہ ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۰۸، ۲۰۹                    |
|  | حسین شریعت کہہ ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶                          |
|  | ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲                     |
|  | ۲۲۳، ۲۲۴   |

|                                       |                                   |
|---------------------------------------|-----------------------------------|
| ۲۵، ۲۰۳                               | -۱۶۲۸۱۱۳۸۱۱۱۸۱۱۰۷۱۰۹              |
| سعود اعظم ۳۶۲۹                        | ۱۳۲۸۱۳۹، ۱۳۰-۱۲۸، ۱۲۹             |
| سعود، عبدالرحمن کا بھائی ۱۲، ۱۱       | -۱۵۸، ۱۵۱، ۱۸۹، ۱۳۶-۱۳۷           |
| سلیم ۱۰۶-۱۲۶، ۱۲۳، ۱۱۳، ۱۰۶           | ۱۱۸۲۱۱۸۱۱۸۹، ۱۱۶، ۱۱۷             |
| ۱۳۹، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۰، ۱۲۹               | ۲۲۶، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۸۶                |
| سلیم، شیخ قبیلہ شر ۱۳، ۱۲             | داریہ (در عیہ) ۵                  |
| سنوسی شیخ ۱۸۰                         | دولوچی و وزیر خارجہ ۱۶۶           |
| ش                                     | دولیش ۱۱۳۱، ۱۱۳۰، ۱۸۱، ۱۶۳، ۱۶۲   |
| شجرۃ الدار، عکیل مصر ۱۹۳              | ۱۰۹، ۲۰۷، ۱۹۸، ۱۶۹، ۱۵۰           |
| شیکری، انگریزی تو نسل ۹۶، ۹۵، ۹۳      | ۲۲۳-۲۱۹، ۲۱۶، ۲۱۳                 |
| ۹۸                                    | ش                                 |
| ط                                     | زادہ حسین کارڈ کا ۱۷۶             |
| طولی، ناظم کروڈ گیری جدہ ۱۶۸، ۱۶۳     | س                                 |
| ع                                     | سارا ۶۶۹                          |
| عبدالرحمن ۱۳۸، ۱۱۹، ۸۶۹، ۶۵، ۳۲، ۱۲۸  | سعد، ابن سعود کا بھائی ۲۸، ۲۵، ۲۲ |
| ۵۶۶۵۳۶۳۹، ۳۸-۳۰                       | ۱۱۳۰، ۱۰۹، ۱۰۱، ۱۰۰، ۶۶۶          |
| ۱۲۶، ۱۰۲، ۸۹، ۸۸، ۶۲                  | ۲۲۰                               |
| ۲۱۰، ۱۹۹، ۱۶۰، ۱۰۲                    | سعد، شیخ منظہک ۹۳، ۲۸             |
| عبداللہ حسین کارڈ کا ۱۵۰، ۱۱۵، ۸۶، ۸۹ | سعود، ابن سعود کا بھائی ۱۱۵، ۱۰۵  |